اپریل 1984

الرشد

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255

جلد نمبر ۵ : شمارہ ٦ : اپریل ۱۹۸۴ء : مطابق رجب المرجب ۱۴۰۴ھ

المرشد

دینی، اصلاحی، علمی، تصوف و سلوک کا
واحد مجلہ

ماہنامہ

المرشد

چکوال (جہلم)
پاکستان

ترتیب

۱۔ اداریہ ۔ خوشبو کا سفر ۔ مدیر

۲۔ باتیں ان کی خوشبو خوشبو ۔ حضرت العلام مولانا اللہ یار خاںؒ

۳۔ اسرار التنزیل ۔ حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مناروی مدظلہ

۴۔ حیوۃ طیبۃ
حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مناروی مدظلہ

۵۔ چراغ مصطفویؐ
حافظ عبدالرزاق صاحب

۶۔ تابعین ۔ شاہ معین احمد ندوی

۷۔ امریکہ سے ایک خط ۔ شکیر عبدالرحمان

۸۔ حصول رزق میں وسائل اور ذرائع کی پاکیزگی ۔ ابوسعید

۹۔ یہ امریکہ ہے ۔ مولانا محمد الحسنیؒ

بیاد :۔ حضرت العلام مولانا اللہ یار خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

سرپرست :۔ حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مناروی مدظلہ

مدیر مسئول :۔ حافظ عبدالرزاق ایم۔ اے (عربی۔ اسلامیات)

مجلسِ ادارت اعزازی

پروفیسر بنیاد حسین نقوی۔ بی۔ اے آنرز، ایم۔ اے

پروفیسر باغ حسین کمال (ایم۔ اے)

سول ایجنٹ :۔ مدنی کتب خانہ۔ گنپت روڈ۔ لاہور

رابطہ کیلئے :
دار العرفان منارہ ۔ ضلع جہلم

بدلِ اشتراک

سالانہ چندہ :۔ ۳۵/- روپے ششماہی چندہ ۱۸/- روپے

فی پرچہ ۳/- روپے

بیرونی ممالک کیلئے سالانہ چندہ :۔ ۱۰۰/- روپے

حافظ عبدالرزاق پبلشر نے منہاج الدین پرنٹر اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال (جہلم) سے شائع کیا۔

اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خوشبو کا سفر

المرشد کی یہ پہلی باقاعدہ اشاعت ہے جو شیخ العرب والعجم مجدد الطریقۃ، مجتہد فی التصوف قلزم فیوض، بحر العلوم، مرشد مخدوم حضرت العلام مولانا اللہ یار خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال مبارک کے بعد قارئین کے پیشِ خدمت ہے۔ اس حادثہ جانگداز، اس سانحہ جگر خراش اور اس صدمۂ جانکاہ کا متعلقین، منتسبین اور مسترشدین کے قلوب پر اثر انداز ہونا اور اہلِ نسبت و تعلق اور اصحابِ خصوصیت کا اس خلا کو محسوس کرنا جو آپ کے وصال مبارک سے پیدا ہوا ہے۔ ایک ایسی حقیقت ہے جو محتاجِ شرح و بیان نہیں۔

جس تن لاگے سو تن جانے اور نہ جانے کوئے

موت و حیات اللہ تعالےٰ کی مشیت و حکمت کے مظاہر میں سے ہیں اور یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش سے اس کے اختتام تک کیلئے مقدر و مقرر ہے۔ وذالك تقدير العزيز العليم ؕ

موت کوئی عدمی چیز نہیں بلکہ حیات ہی کی طرح مخلوق ہے اور اپنا وجود رکھتی ہے۔ اس کائناتِ اسباب و علل اور اس خاکدانِ مادی میں انسان اشرف المخلوقات کی سطح پر موت و حیات کی غایت انسان کے جوہرِ اصلی کو نکھارنا اور اس کے حسنِ عمل کا امتحان ہے۔ الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا۔

دارِ دنیا دار التکلیف اور دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء ہے۔ موت دنیا سے آخرت کی جانب جانے کیلئے ایک دروازہ کی مانند ہے۔ اس سے عبور کئے بغیر کوئی بھی دارِ آخرت میں نہیں جا سکتا۔ دنیا و آخرت کے درمیان عالمِ برزخ ہے جو ان دونوں جہانوں کی خصوصیات سے رنگین ہے۔ کہ من وجہٍ آخرت کے احکام رکھتا ہے اور من وجہٍ دنیا کے احکام سے مشابہ ہے ـــــ برزخی زندگی تکلیفاتِ شرعیہ کی زندگی نہیں، نہ وہ دار العمل ہے۔ ہاں اللہ کریم چاہے تو اپنے مقبول بندوں کو وہاں بھی

بعض اعمالِ صالحہ کی توفیق بطورِ تلذذ و راحت کے عطا فرما دیتا ہے۔ وذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء ——— حدیث شریف میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

اہل اللہ عارفین باللہ اور کامل مومنوں کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی آخرت ہی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ آخرت ہی کے اعمال انہیں مرغوب ہوتے ہیں۔ ان کی ارواح اسی جانب نگراں رہتی ہیں۔ اور سلوک و عرفان و معیت کی منازل طے کرتی رہتی ہیں۔ وہ اپنے مُوطنِ حقیقی کو نہیں بھولتے۔ قُرب و رضائے باری تعالیٰ کے منازلِ خصوصی اور عبدیتِ کاملہ کے مقام ارفع و اعلیٰ کی طلب میں کوشاں رہتے ہیں۔ دنیا سے ان کا دل سرد ہو جاتا ہے اور دار الخلود کی طرف رجوع و انابت میں ہر لمحہ ترقی ہوتی رہتی ہے۔ وہ لقائے باری تعالیٰ کے لئے بے قرار رہتے ہیں۔ انہیں دیدارِ باری تعالیٰ کی آرزو تڑپاتی رہتی ہے۔ زبانِ حال و قال سے یہی کہتے ہیں کہ انا الیٰ ربنا لمنقلبون۔ محبوبِ حقیقی کی یاد ان کے دل میں چٹکیاں لیتی ہے اور ان کا وجدان پکار اٹھتا ہے:

ما زِ فلک بودہ ایم، یارِ ملک بودہ ایم   باز ہماں جا رویم خواجہ کہ آں شہرِ ماست

موت ان شہیدانِ محبت کیلئے وصالِ یار کا پیغام ہوتا ہے۔ اس لئے جب یہ ساعتِ سعید آتی ہے تو ان کے عمر بھر کے ارمان نکلنے کا وقت ہوتا ہے ان کی روح میں انبساط، قلب میں انشراح اور لبوں پر تبسم کی کوئی موج تڑپ جاتی ہے۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم   چوں مرگ آید تبسم برلبِ اوست

وہ موت کو ہلاکت و فنا کا پیام نہیں بلکہ کشادِ درِ دل سمجھتے ہیں۔ زندگی کی ایک اعلیٰ سطح کی جانب ترقی کا ایک اشارہ سمجھتے ہیں۔ اور قرب و رضائے باری تعالیٰ کی رفعتوں کو چھو لینے کی معرفت سے سرشار اور مسرور ہو جاتے ہیں۔ نعمت دیدارِ باری تعالیٰ، ملاقات و کلام اور ملائکہ کی معیت میں سعادتِ ابدی کی بشارتوں سے سرفراز و کامران ہوتے ہیں۔ فرحین بما اٰتاھم اللّٰہ۔

ان نفوسِ قدسیہ کا دنیا سے سفر کر جانا بظاہر اہلِ عالم کو بہت سی سعادتوں سے جو کہ ان کے وجودِ ظاہری کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں، محروم کر جاتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ان کی موت ایک فردِ واحد کی موت نہیں ہوتی بلکہ اس سے ایک عالم متاثر ہوتا ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ ہیں "موت العالِم موت العالَم"۔ ایک عالم باعمل عارف باللہ کا دنیا سے سفر کر جانا ایک عالَم کی موت کے مترادف ہے ——— لیکن وہ فیضانِ سماوی اور برکات و سعادات جو ان کے وجودِ معنوی سے متعلق ہوتی ہیں، برزخ سے بھی اہلِ تعلق و نسبت کے قلوب و ارواح پر منعکس ہو کر اس عالمِ آب و گِل کو منور کرتی رہتی ہیں۔

حضرت صاحبِ سلسلہ اویسیہ علیہ الرحمۃ کا فیضان اب بھی اصحابِ تعلق و نسبت اور اربابِ ربط و خصوصیت کو براہِ راست پہنچ رہا ہے اور ان کی وساطت سے دنیا کے چپے چپے میں پھیل رہا ہے ——— آپ کے اس دارِ فانی سے تشریف لے جانے کے بعد اس میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اس بحرِ فیضان و معارف کے تموّج اور اس خورشیدِ سپہرِ ولایت کی ضیا پاشیوں میں بفضلہٖ تعالےٰ ہر لمحہ ترقی اور اضافہ ہے۔ اور اس سے افاضہ اور استفاضہ کی راہ بھی کھلی ہوئی ہے۔ (یہ سلسلہ اویسیہ اور صاحبِ سلسلہ علیہ الرحمۃ کی خصوصیات میں سے ہے)

افلت شموس الاولین و شمسنا   ابدًا علیٰ افق البقاء لا تغرب

اگر کچھ فرق ہے تو وہ تربیتِ ظاہری کے اعتبار سے ہے کہ سالک مبتدی اور متوسط کو اس کی احتیاج ہے تو اس کے لئے حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے پیچھے اپنے تربیت یافتہ ایسے شاگرد، نائبین اور خلفاء چھوڑے ہیں جو اس فریضہ کو انجام دیتے رہیں گے۔ اور طالبینِ راہِ سلوک و عرفان کی رہنمائی اور تربیت کرنے کے بعد انہیں ربط بالشیخ اور اعطاء نسبتِ سلسلہ کی نعمتوں سے تہی دامن نہ رہنے دیں گے۔ والامر بیدہ اللّٰہ التوفیق یہدی من یشاء بفضلہٖ و یہدی الیہ من ینیب۔

اکتسابِ فیض اور حصولِ نسبتِ روحانی کیلئے بعدِ دارین کوئی ایسا حجاب نہیں جو بفضلہٖ تعالےٰ دور نہ کیا جا سکے۔ اس لئے سالکین کو کسی طرح کی محرومی کو خاطر میں نہ لانا چاہیئے۔ یہ حجاب ان کیلئے ہے جو معرفتِ باری تعالےٰ کی دولت اور شرحِ صدر و بصیرت کی سعادت سے محجوب ہیں۔ ورنہ مؤمنین باللّٰہ عارفین کاملین کا مقام تو اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے۔

علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کیلئے   لذتِ شوق بھی ہے، نعمتِ دیدار بھی ہے

وللّٰہ درّ من قال: یراہ المؤمنون بغیر کیف   و ادراک و ضرب من مثال

راہِ محبت میں احساسِ حرمان کفرِ طریقت کے مشابہ ہے۔ محبت زمان و مکان کی گرفت میں نہیں آتی ——— مگر اس دولتِ جاوید اور نعمت و سعادتِ ابدی سے حصہ پانے کیلئے شرط ہے کہ دائیں ہاتھ میں کتاب اللّٰہ، بائیں ہاتھ میں سنتِ رسول ؐ اور سامنے صحابہ کرام ؓ و سلف و صالحین کی راہ ہو ——— ربط القلب بالشیخ اور نسبت سلسلہ عالیہ کے فیضان سے روح سرشار ہو، کثرت ذکرِ الٰہی اور اتباعِ شریعتِ مطہرہ علی الدوام ہو، حضور اکرم ؐ کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ اللّٰہ کریم اس نسبت و تعلق کو قائم رکھے اور ہمیں اس صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے اور اللّٰہ کی مخلوق کو اللّٰہ سے جوڑنے کی سعادت توفیق ارزاں فرمائے۔

سلسلہ اور صاحبِ سلسلہ مجدد الطریقۃ مجتہد فی التصوف شیخ العرب والعجم حضرت العلام مولانا **اللّٰہ یار خان** علیہ الرحمۃ والرضوان کا فیض اب بھی بفضلہٖ تعالےٰ ہر طالب اور صاحبِ استعداد کیلئے ضیا پاش ہے اور اس کی خوشبو مشامِ جان کیلئے نزہت افزاء ہے۔

ع   اللّٰہ کرے "ان کے فیوض" اور زیادہ

وَاٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین ہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمّدؐ واٰلہٖ و اصحابہٖ اجمعین ہ

باتیں اُن کی خوشبو خوشبو

(ملفوظات شیخ العرب والعجم مجدد الطریقہ مجتہد فی التصوف حضرت العلام مولانا اللہ یار خاں قدس سرہ العزیز)

فرمایا: آپ انفرادی طور پر ایک ایک آدمی کو دعوت دیں۔ اس کی تربیت کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں یہی طریقہ تھا۔ مختلف طبائع، اقوام اور ممالک کے لوگ آپؐ کی خدمت میں آئے اور آپؐ کی تبلیغ، تربیت اور فیضانِ محبت سے ایک امت (بھائی بھائی) بن گئے ——————

پہلے آپ خود نیک بنیں، اپنی اصلاح کریں تاکہ جو لوگ آپ سے ملیں وہ آپ کو دیکھ کر، آپ کے معاملات کو دیکھ کر خود بخود درست ہو جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابیوں کی یہ شان تھی کہ اگر ایک صحابی کہیں ہزاروں کے مجمع میں موجود ہوتا تو منفرد نظر آتا۔ اپنے لباس، شکل و شمائل، اخلاق و معاملات غرضیکہ ہر پہلو سے ممتاز نظر آتا تھا۔

فرمایا: ہم ظاہر کے مکلف ہیں۔ کشف اگر احکامِ شریعت کے مخالف نہ ہو تو صاحبِ کشف خود اس پر عمل کر سکتا ہے۔ کشف والہام کیلئے شرعی دلیل کی ضرورت نہیں، صرف اتنا ضروری ہے کہ شریعت سے متصادم نہ ہو۔ ہمارے کئی ساتھی صاحبِ کشف ہیں۔ میں ہمیشہ تاکید کرتا ہوں کہ جب تک وہ مجھ سے پوچھ نہ لیں اس پر عمل نہ کریں۔

فرمایا: شیخ پر اعتراض مانع فیض ہے۔ اگر کوئی بات پوچھنا ہو تو آداب کی رعایت کرتے ہوئے طالب علمانہ انداز سے پوچھیئے۔

فرمایا: ہمیشہ اعتدال کی راہ اختیار کرو۔ دین میں غلو نہ کرو۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تفہیمات الٰہیہ میں اور شاہ عبدالعزیز محدثؒ نے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ **غلو** یہودیوں کا فعل ہے، تحریفِ دین ہے، اس سے بچنا چاہیئے۔ افراط و تفریط سے بچنا چاہیئے۔ **اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُکُم بِالعَدلِ** .... الخ۔

فرمایا: قبر کے عذاب سے بچانے والی سب سے بڑی چیز "ذکر الٰہی" ہے۔ میں کاروبار سے منع نہیں کرتا۔ کاروبار اگر شریعت کے مطابق کیا جائے تو وہ بھی ذکر الٰہی میں داخل ہے۔ فرائض اور

سنن مؤکدہ کی پوری پابندی کرنی چاہیئے ۔ ایک آدھ گھنٹہ شام اور ایک آدھ گھنٹہ صبح ذکرِ الٰہی کے لیئے اللہ کریم کی بارگاہ میں حاضری کے لئے مختص کرلیں ۔

فرمایا : ہمارا مقصد اصلاح ہے ۔ اور بغیر تزکیہ نفس کے یہ ممکن نہیں ۔ تزکیہ ہوجائے تو اصلاح ہوجاتی ہے ۔ یہ خانقاہیں جو تھیں انسان سازی کی فیکٹریاں اور کارخانے ہیں ۔ لیکن اس دور میں ایسے لوگوں کا وجود عنقا ہے ۔

تقویٰ کے فوائد

۱۔ تقوٰے کا وصف اللہ کو پسند ہے ۔

۲۔ دشمنوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے ۔

۳۔ معیتِ باری کا سبب ہے ۔

۴۔ مصائب سے نجات کا ذریعہ ہے ۔

۵۔ اصلاحِ عمل کا ذریعہ ہے ۔

۶۔ گناہوں کی بخشش کا سبب ہے ۔

۷۔ محبتِ الٰہی کا ذریعہ ہے ۔

۸۔ قبولِ عبادت کا سبب ہے ۔

۹۔ عظمت اور بزرگی کا سبب ہے ۔

۱۰۔ نجات کا ذریعہ ہے ۔

۱۱۔ خلود فی الجنۃ کا ذریعہ ہے ۔

*

اسرار التنزیل

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ

خطبہ مسنونہ کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی :

یٰایہا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن انہ لکم عدو مبین۔

برادرانِ محترم !

اللہ تعالےٰ نے جس قدر احسانات ہم پر کئے ہیں وہ شمار میں نہیں لائے جا سکتے۔ مگران سب احسانات میں جو بہت بڑا ہے وہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی بعثت ہے۔ کہ جس رحمتِ مجسم کے طفیل انسانیت کو براہِ راست مکالمہ باری کا شرف نصیب ہوا۔ اور اللہ کا کلام سننے اور سمجھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

سو باری تعالےٰ کے کلام میں جس قدر خطابات ہیں ان کو بنیادی طور پر تین اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا طرزِ کلام ہے یاایہا الناس۔ اس میں عموم ہے سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت ہے اور اس کے ساتھ دلائل ہیں اور نتائج کی خبر بھی ہے مگر بات ٹھونسی نہیں جارہی۔

اس کے ساتھ دوسرا طرزِ خطاب اس شخص یا ان اشخاص کو ہے جو یہ پیغامِ حیات قبول نہیں کرتے۔ جنہیں اصطلاحِ شریعت میں کافر کا نام دیا گیا ہے۔ جب بات کافر کی آتی ہے تو خطاب ہوتا ہے یاایہا الکافرون ان الفاظ میں ہی رعد کی گرج سے ان کے مابعد کے الفاظ کو دیکھیں تو سخت ناراضگی بلکہ ایک طرح سے بالکل علیحدگی کا احساس ہو رہا ہے۔

تیسرا طرزِ خطاب ان حضرات کو ہے جنہوں نے اس پیغامِ حق کو قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس طرزِ خطاب میں ہی ایک لطف ہے، لذت ہے، رحمت و شفقت کا ایک بے پایاں سمندر موجزن ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ہر اس شخص کو براہِ راست خطاب ہے جو ایمان لایا۔

خواہ گھر اور محلے میں کوئی اسے بلاتا ہو یا نہ ، کوئی معاشرے میں اس کی سنے یا نہ سنے ، غریب ہو یا امیر ، جاہل ہو یا پڑھا لکھا ، کسی بات کی قید نہیں بلکہ اس کا اسلام اور دینِ حق کو قبول کرنا ایک ایسا وصف ہے جس نے اسے اس لطف و کرم کا سزاوار بنا دیا۔

اب یہاں یہ بات نہیں ہے کہ کوئی بیگار لگائی جا رہی ہے یا خواہ مخواہ کی کوئی مصیبت ٹھونسی جا رہی ہے بلکہ نہایت ہی شفقت سے ایک ایسا طریقہ تعلیم دیا جا رہا ہے کہ جس کی بدولت انسان آرام اور سکون سے زندگی بسر کر سکے۔ اب آئیے اس ضمن میں دیکھیں کہ فلسفۂ حیات کیا ہے ؟

ہر ذی روح کو اللہ نے ایک احساسِ تحفظ بخشا ہے جس کے سبب سے وہ اپنی حفاظت کے راستے تلاش کرتا ہے۔ ایک کیڑے کو دیکھیں تو وہ بھی چھپ کر جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ حیوانات کو پرندوں کو دیکھیں سب اپنے اپنے طور پر اپنی حفاظت کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ رات ہونے کو آئے تو اپنے ٹھکانوں کو پلٹتے ہیں۔ بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ جنگلی جانور بھی رات کو جنگل کے اس حصہ میں جمع ہونے اور رات گزارنے کی کوشش کرتے ہیں جہاں کوئی جھونپڑا یا مکان ایسا ہو جو آباد ہو کہ اس طرح انہیں تحفظ کا احساس رہتا ہے۔

یہ ساری مخلوق انسان سے کم تر درجہ کی ہے اور صرف انسان ایک ایسی مخلوق ہے جسے حسبِ حیثیت معرفتِ باری کا شعور بھی بخشا گیا ہے۔ کہ نوبت صرف انسانوں کو عطا ہوئی ہے تو جس مخلوق کو اتنا وسیع شعور عطا ہوا ہے بھلا اسے یہ فطری صلاحیت کیوں نہ دی گئی ہوگی کہ وہ اپنی حفاظت کا اہتمام کرے ، دی گئی ہے اور ضرور دی گئی ہے۔ انسان اپنی ساری کوشش بھی کرتا ہے اور پھر مطمئن بھی اس لئے نہیں ہو پاتا کہ اس کے اندر کوئی کہتا ہے اور مسلسل کہتا رہتا ہے کہ تو محفوظ نہیں ہے۔ یہی عالمگیر پریشانی ہے اور اس آیہ کریمہ میں اسی کا حل ارشاد ہوا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارا سوچ محدود ہے۔ ہم وقتی اور عارضی آرام تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ ہماری زندگی عارضی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ابدی ہے ، اسے دوام حاصل ہے۔ یہ کبھی ختم نہ ہوگی۔ اس کا جو حصہ فی الحال ہمارے سامنے ہے بہت تھوڑا سا اور ایک بہت چھوٹا سا حصہ ہے۔ لیکن دراصل یہ ابدی زندگی کا مدار علیہ ہے۔ یعنی اگر اس زندگی کی ضروریات اور ان کے پورا کرنے میں اللہ کی اطاعت کی جائے تو یہ زندگی آرام اور سکون بھی پاتی ہے اور لطف یہ ہے کہ اسی پر ابدی آرام بھی مرتب ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ کا سکون بھی نصیب ہوتا ہے اور یہ کتنا کرم ہے کہ تعمیرِ ابد کیلئے کوئی علیحدہ پروگرام نہیں بلکہ اسی معاشرے میں اپنے بسنے سے آخرت کی تعمیر بھی ہوتی ہے اور یہاں بسنے کیلئے بھی ہمارا اپنا ایک اصول ہے کہ جس قدر ایجادات دنیا میں ہمیں ملتی ہیں ان کی ایک بک لٹ (Booklet) ہوتی ہے۔ گھڑی یا ریڈیو ٹی وی سیٹ ہو یا کوئی اور مشین حتیٰ کہ معمولی سی ماچس

استعمال کا بھی ایک طریقہ ہے ۔ جوتے کی ایک جوڑی جو بناتا ہے اس نے بھی اس کے طرز استعمال کا ایک طریقہ رکھا ہے ۔ اگر صرف اتنا بدل دیں کہ دائیں پاؤں کا جوتا بائیں پاؤں میں ڈال دیں تو آرام کجا الٹی مصیبت بن جائے گی ۔ اسی طرح آپ شلوار قمیص کو دیکھیں ہر شے کے استعمال کا ایک قاعدہ ہے ۔ ایسے ہی اس وسیع کائنات میں بے شمار اشیاء ہیں جن سے ہمیں روزمرہ واسطہ پڑتا ہے ۔ اب مناسب طریقہ یہ ہے کہ ان کی ہک لیٹ دیکھی جائے بنانے والی ہستی سے پوچھا جائے کہ انہیں کیسے استعمال میں لائیں اور اسی پوچھنے اور اس پر عمل کرنے کا نام اسلام ہے ۔ جس کے بارے ارشاد ہو رہا ہے کہ اے ایمان والو! سارے کے سارے اسلام میں داخل ہو جاؤ ہر بات پر اور ہر کام پر اسلام کی مہر لگواؤ جب تم نے اقرار کر لیا ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ یعنی تمام کائنات میں اللّٰہ کے سوا کوئی ایسی ہستی نہیں جس کی اطاعت بلا چوں وچرا کی جائے اور جب تمہیں صرف اللّٰہ کی بات مان کر اللّٰہ کی کائنات میں رہنا ہے تو اسی پر جم جاؤ ۔ اب یہ کیسے جان سکو گے کہ اللّٰہ کریم کس بات پر راضی ہے تو اس کی وضاحت دوسرے جز میں ہے محمد رسول اللّٰہ آقائے نامدار صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہم کو بتائیں گے کہ وہ اللّٰہ کے رسول ہیں اور یہی اسلام ہے ۔ اللّٰہ کریم نہایت شفقت اور کرم سے ہم سب کو معصیت سے بچنے کی سبیل ارشاد فرما رہے ہیں کہ ایسا ہرگز نہیں کہ ہم پر کوئی مشقت لادی جا رہی ہے ارشاد ہے ما یفعل اللّٰہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم و کان اللّٰہ شاکرًا علیما ۔ اللّٰہ کو کیا ضرورت ہے کہ تمہیں عذاب کرے ۔ ہاں اپنے آپ کو خود مصیبت میں نہ ڈالو ، بلکہ اللّٰہ کے شکر گزار بندے بنو اور ایمان لاؤ ۔

یہاں ایک سوال اور ہے کہ ہمارے زمانے میں بے شمار راستے ہیں ۔ انسان درمیان میں کھڑا ہے ۔ ہر راستے پر ایک بلانے والا ہے ۔ جو اسلام ہی کے نام پر بلا رہا ہے ۔ اب انسان کسی نہ کسی کے ساتھ چل نکلتا ہے ۔ پھر چند روز بعد کسی اور کی آواز پسند آئی یا اس راستہ پر کوئی ٹھوکر لگی تو گھبرا کر ہٹ گئے اور دوسرے راستے پر ہو لئے ۔ کچھ ایسے بھی ہیں جو بس حیرانی کے عالم میں کھڑے ہیں ۔ بظاہر تو یہ ایک بڑا مشکل مقام ہے ۔ مگر دراصل اس کا حل بہت آسان ہے جو خود نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرما دیا تھا کہ ایک حدیث پاک میں وارد ہے آپ ﷺ نے زمین پر ایک سیدھی لکیر بنائی اور دونوں طرف بے شمار چھوٹے چھوٹے خط بنا کر ارشاد فرمایا کہ یہ سیدھا راستہ اسلام ہے اور بے شمار چھوٹے موٹے راستے سب شیطانی ہیں ۔ اب یہ سیدھا راستہ کونسا ہے ارشاد ہوا ما انا علیہ و اصحابی او کما قال ﷺ ۔

یعنی وہ راستہ جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ؓ ہیں ۔ سب سے پہلے اور براہ راست حضور ﷺ کے تربیت یافتہ افراد ، تو اب آسانی ہو گئی ۔ جو بھی پکارے آپ اس سے پوچھ لیں کہ جس طرف آپ دعوت دے رہے ہیں اس راہ پر حضور ﷺ کے نقوش کف پا ہیں ؟ یا صحابہ ؓ اس راہ پر چلے ہیں ۔ اگر ایسا ہے تو ہم حاضر ہیں ۔ لیکن اگر یہ کام نہ

حضورؐ نے کیا، نہ صحابہ سے ثابت ہے، نہ متقدمین
اس راہ پہ چلے تو وہ اسلام کیسے ہوگیا۔ بلکہ ہر
وہ کام جو خلافِ سنت ہے۔ آپ اس کو اوپر چلاکر
دیکھیں تو وہ یقیناً شیطان کی تعلیم کا نتیجہ ہوگا۔ سوارشاد
ہوا کہ مکمل اسلام کو اپنی زندگی کا ضابطہ بنالو ورنہ
خلافِ اسلام اتباعِ شیطان ہے۔ جو تمہارا کھُلا
دشمن ہے۔ تمہیں اس کا اتباع زیب ہی نہیں دیتا اور
نہ اس میں کوئی فائدہ ہوگا۔ اللہ کریم ہم سب کو صحیح سمجھنے
اور توفیقِ عمل نصیب فرمائے۔ آمین!
واٰخِرُ دَعْوانا اَنِ الحمد للہ ربّ العٰلمین ٥

حضرت ابراہیمؒ بن ادہم سے کسی نے پوچھا کہ ہماری دُعا کیوں قبول نہیں ہوتی۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ کا فرمان ہے۔ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ؟ آپؒ نے فرمایا تمہارے دل مُردہ ہیں۔ پُوچھا ؛ دل کیسے مُردہ ہوجاتے ہیں ؟

فرمایا : آٹھ عادتوں سے

۱۔ اللہ کا حق معلوم کرلیا، اس کو بجا نہ لائے۔
۲۔ قرآن کو پڑھا، اس پر عمل نہ کیا۔
۳۔ محبتِ رسولؐ کا دعویٰ کیا، مگر سنتِ رسولؐ پر نہ چلے۔
۴۔ موت کا خوف کیا، مگر اس کیلئے سامان کوئی نہ کیا۔
۵۔ شیطان کو دشمن سمجھا، مگر عملاً برابر اس سے دوستی رکھی۔
۶۔ دوزخ کے خوف کا دعویٰ کیا، مگر اپنے جسموں کو اس میں جھونکنے کا سامان کرتے رہے۔
۷۔ جنت کی خواہش کی، مگر اس میں جانے کیلئے کوئی سامان نہ کیا۔
۸۔ صُبح اٹھتے ہی اپنے عیبوں کو پسِ پشت ڈالا اور دوسروں کے عیب ڈھونڈنے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

پس دعا کیسے قبول ہو ؟

حیٰوۃً طیّبۃً

(حضرت مولانا محمد اکرم مناروی مدظلہٗ)

گذشتہ کئی روز سے دل اور دماغ آپس میں الجھ رہے تھے۔ دل چاہتا تھا کہ حضرت کے وصال مبارک کے وہ حالات جو صرف اللہ کی خاص عطا سے اور کشفاً ہی معلوم ہو سکتے ہیں اور جو واقعات دیکھنے کی سعادت اللہ کریم نے مجھ بے نوا کو بخشی ہے۔ اس میں احباب کو بھی شریک کر لوں مگر ذہن نہیں مان رہا تھا کہ اول تو یہ اسرارِ الٰہی ہیں اور ان کا اظہار مناسب نہیں۔ دوم یہ دورِ جہالت کا ہے اور قحط الرجال ہے۔ ایک طرف لوگ حیاتِ انبیاء کا انکار کئے بیٹھے ہیں اور دوسری طرف سلوک کے ابجد سے بھی ناآشنا لوگ جبہ و دستار پہنے لوگوں کو نہ صرف بدعات بلکہ مشرکانہ رسومات میں دھکیل رہے ہیں۔ اس افراتفری میں بحث کا ایک نیا دروازہ کیوں کھولتے ہو۔ لیکن آخر دل کی بات ماننا پڑی اور اس لئے بھی ماننا پڑی کہ جس زور سے حیات بعد الموت کا انکار ہے، ضروری ہے کہ اثبات بھی علی الاعلان کیا جائے۔ رہی بات بحث کی تو حضرت استاذنا المکرم ومحترم، بحر العلوم، قلزم فیوض، مجددِ طریقت، امام الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اس قدر جامع تصنیفات چھوڑی ہیں کہ اس بات کو بند کر دیا ہے۔ اب اگر کوئی کج بحثی کرے تو اس کا علاج نہیں۔

نیز میرے مخاطب احباب حلقہ اور جماعت نقشبندیہ اویسیہ کے احباب ہیں۔ ان کے علاوہ کسی کو فائدہ ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر بات پسند نہ آئے تو وہ اس مضمون کو فراموش کر دیں۔

میں عنوان تلاش کر رہا تھا۔ ذہن پر زور دیا، بات نہ بنی۔ دل نے کہا کہ قرآن پاک کھول لو۔ انشاء اللہ عنوان پالو گے۔ میں نے کتاب اللہ کو کھولا تو یہ آیہ کریمہ سورہ نحل کی سامنے آئی۔ یعنی میری پہلی نگاہ اسی پہ پڑی "مَن عمل صالحًا من ذکرٍ او انثیٰ وھو مؤمنٌ فلنحیینّہٗ حیٰوۃً طیبۃً ولنجزینّھم اجرھم باحسن ما کانوا یعملون۔ سو میں نے "حیٰوۃً طیبۃً" عنوان رکھا۔

قبل اس کے کہ اصل مضمون پیش کروں میں حضرت جیؒ کا تعارف بحیثیت ایک صوفیِ کامل کے کرا دینا ضروری خیال کرتا ہوں۔ اس لئے کسی حد تک مقاماتِ تصوف و سلوک بیان کرتا ہوں گے۔ تو اس راہ میں ابتدا یا ابجد

فنا و بقا ہے۔ مراقبات فنا فی اللہ اور بقا باللہ والا اس قابل ہو جاتا ہے کہ راہِ سلوک پر قدم رکھے۔ آگے کی پہلی منزل سالک المجذوبی ہے۔ جس کی سات منازل ہیں اور ان سات میں تقریباً سوا لاکھ نورانی حجابات ہیں۔ جو سالک کو طے کرنے پڑتے ہیں۔ اور پھر دریائے رحمت عبور کر کے پہلے عرش کی منازل میں داخل ہوا جاتا ہے پہلے عرش کے اندر تقریباً سوا لاکھ منازل ہیں۔ اور یہ شمار حتمی نہیں ہے بلکہ ہم نے اندازہ اسی طرح لگایا تھا کہ حضرت جیؒ نے فرمایا میں نے ایک سال پہلے عرش کی منازل شمار کیں تو اول سے لے کر سولہ ہزار تک طے کر سکا پھر تین سال اور لگے تب جا کر عرش طے ہوا۔ یاد رہے کہ جوں جوں روح آگے بڑھتی ہے اس کی قوت اور رفتار بڑھتی چلی جاتی ہے۔ سو کوئی صاحب حساب کے قاعدوں میں نہ پھنسیں بلکہ مجھ بے نوا پر ہی بھروسہ کریں کہ میں نے حضرت جیؒ کی خدمت میں بیٹھ کر مختلف چیزوں کا جائزہ لے کر حساب جوڑا تھا تو اندازاً سوا لاکھ شمار ہوا تھا۔ ان منازل کے درمیان فاصلہ اس قدر ہے کہ ہر نیچے والی منزل سے اوپر والی منزل اس قدر بلند ہے کہ اگر نگاہ کی جائے تو یوں لگتا ہے جیسے زمین پر سے کوئی اتنا دور ستارہ جو معمولی سا ٹمٹماتا ہوا دکھائی دے۔ اب پورے عرش کی اندرونی وسعت کا خیال خود کر لیں کہ سمندِ عقل یہاں تھک تھک کر گرتا ہے۔

عرش کی تعداد ۹ ہے۔

آنکہ آمد نُہ فلک معراجِ او
انبیاء و اولیاء محتاجِ او

پہلے اور دوسرے عرش کے درمیان کا فاصلہ عرشِ اول کی موٹائی سے زیادہ ہے۔ پھر دوسرے عرش کی موٹائی اس فاصلے اور خلا سے زیادہ۔ علیٰ ہٰذا ہر عرش کے بعد خلا بھی ہے اور اسی نسبت سے خلا اور عرش کی موٹائی بڑھتی بھی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ نویں عرش کی انتہا عالمِ امر کی ابتدا ہے۔ جسے عالمِ حیرت بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں سے وہ دائرے شروع ہوتے ہیں جن میں سے ایک ایک کی وسعت میں جہاں گم ہو سکتا ہے۔ اور ہوتا رہا ہے۔ اول تو بے شمار طالبوں کے نزدیک فنا بقا ہی انتہائے سلوک ہے لیکن بعض خوش نصیب جو اس سے آگے چلے سالک المجذوب بمشکل بن پائے۔ پھر عرش کی وسعتوں میں خلقِ خدا سرگرداں رہی۔ ان میں برِصغیر کے بھی ایسے نامور حضرات شامل ہیں جن کا نام میں اس غرض سے نہیں گنا سکتا کہ نا اہل یہ کہیں گے کہ یہ اپنے آپ کو ان سے اعلیٰ شمار کرتا ہے۔ حالانکہ یہ ہرگز مقصد نہیں۔ میں اپنے کو ان کی خاکِ پا جانتا ہوں۔ پھر وہ اپنی منزل کو پا گئے اور ہم تا حال عالمِ ابتلا کے گرداب میں ہیں۔ اللہ ہمیں بعافیت ان کے پاس پہنچائے۔ آمین!

ان دائروں کی تعداد ۳۶ ہے۔ اور ان کی وسعت بے کراں۔ پہلا دائرہ مقامِ تقرب ہے۔ جس کی پہنائیوں کا اندازہ اس بات سے لگا لیں کہ نو عرش اور دنیا و مافیہا اس کے مقابلے میں اس طرح ہیں جیسے کسی صحرا میں ایک کنکری۔ اس دائرے میں حضرت علی ہجویریؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی وفات ہوئی۔ یہاں سے آگے کے بعض دوائر کی بات حضرت مجددؒ صاحب نے ارشاد

فرمائی ہے۔ مگر وہ سیر نظری ہے جہاں تک ان کی نگاہ نے کام کیا۔ بہرحال چوتھا دائرہ مقامِ تسلیم ہے۔ جہاں مقاماتِ ولایتِ اولیاء کی انتہا ہے۔ اس دائرے میں ایک ایسی ہستی ملتی ہیں جو بھیرہ میں دفن ہیں۔ اپنے زمانے کے غوث تھے۔ ظلماً شہید کئے گئے۔ اب ان کے اوپر آبادی ہے اور مکان بنے ہوئے ہیں۔ یہ بے نوا ایک بار کسی کام سے بھیرہ گیا تو ملاقات اور حاضری نصیب ہوئی فرماتے تھے کہ ان مکانوں کے رہنے والے اچھے لوگ نہیں ہیں۔ ان کی عورتیں بدکار ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت نشاندہی ہو جائے تو ممکن ہے کہ لوگ جگہ خالی کر دیں۔ تو فرمایا میں ہر صاحبِ کشف کو بھی اپنی جگہ دیکھنے کی اجازت نہیں دیتا کہ اگر نشاندہی ہو گئی تو دنیا بھر کے بدکار یہاں جمع ہوں گے۔ اس سے یہ چند بہتر ہیں۔

خیر یہ جملہ معترضہ تھا۔ اس سے آگے ولایتِ انبیاء شروع ہوتی ہے۔ جو نبی کو وہبی طور پر حاصل ہوتی ہے اور قبل نبوت بھی حاصل ہوتی ہے۔ جس میں امتی صرف اتباعِ پیغمبر کی وجہ سے باریاب ہوتا ہے ورنہ یہ منازل امتی کیلئے نہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح شاہی محل میں بادشاہ کے ساتھ خدام بھی رہتے ہیں۔

یہاں سے چھ دائرے عبور کرنے کے بعد ساتواں دائرہ مقامِ رضا ہے۔ جس کے آخر میں ایک ایسی ہستی ہے جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے خلیفہ اول تھے۔ اور یہاں سے آگے پانچواں دائرہ حقیقتِ رسالت کا ہے۔ جس کی ابتدا میں حضرت سید نذیر علی شاہ صاحب (ان کا مدفن کشمیر میں ہے اور غیر معروف ہے) کی وفات ہوئی۔ اور اس دائرہ کی انتہا میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ عالمِ بقا کو سدھارے۔ اللہ ان سب پر کروڑوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

اور بے شمار ہستیاں ہوں گی امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اس گزرگاہ میں نقشِ کفِ پائے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ بوسے دیتے چودہ سو سال بیت چکے ہیں۔ میں نے صرف ایک دو نام تبرکاً گنوا دینے کی جسارت کی ہے۔

آگے چھٹا دائرہ مقامِ افراد ہے۔ جس میں اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ملتے ہیں۔ یہاں ایک بات یاد رہے کہ یہ بہت نازک مقام ہے۔ حضرت مجددؒ نے جب بات کی تھی تو ان پر فتویٰ لگا تھا کہ یہ اپنے آپ کو صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل جانتا ہے لیکن یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ جب نبی ان مقامات سے گزرتا ہے تو بحیثیت نبی کے گذرتا ہے، صحابی گذرتا ہے تو بحیثیت صحابی کے گذرتا ہے اور ولی گذرتا ہے تو ان کا کفش بردار ہو کر۔ ورنہ قرونِ ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر کا شان ولایت کی رسائی سے بالاتر ہے۔ رہی بات فتووں کی تو وہ تو لوگوں کا مزاج بن چکا ہے۔ جب معاملہ عنداللہ درست ہو تو فکر کی بات نہیں۔ ممکن ہے فتویٰ لگانے والے بھی خلوص سے کام کر رہے ہوں۔ مگر حالات کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے معذور ہوں۔ اللہ کریم ہم سب کو ہدایت پر رکھے۔ آمین!

اس سے اگلا دائرہ قطب وحدت کا ہے اور

اس کے بارے مناسب ہوگا کہ میں حضرت جیؒ کے مبارک الفاظ نقل کر دوں۔

" یہ وسیع دائرہ ہے۔ ڈیڑھ سال بندہ اس میں سرگرداں رہا۔"

اس مبارک روح کی قوتِ پرواز اور رفتار کا اندازہ کر کے اس دائرے کی وسعت کا خیال کیا جائے تو بات حساب و شمار کی حدود کو پیچھے چھوڑ جاتی ہے۔

اگلا مقام دائرہ صدیقیت ہے اور پھر قربِ نبوت[1] قربِ رسالت[2]، قربِ اولوالعزمی[3]، قربِ محمدی[4]، وصالِ محمدی[5]، قربِ الٰہی[6]، وصالِ الٰہی[7]، رضائے الٰہی[8] قربِ رحمت[9]، بحرِ رحمت[10]، خزانہ رحمت[11] اور منبع رحمت[12] یہ بارہ دائرے ہیں جن کی وسعتیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

یہاں حضرت جیؒ فرمایا کرتے تھے کہ تقریباً ایک چوتھائی سلوک یہاں تک طے ہوتا ہے۔ میری ناقص رائے میں جو اصحاب یہ لکھ دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے سلوک مکمل طے کر لیا، شاید وہ کچھ اندازہ کر سکیں۔

اس سے آگے حجاباتِ الوہیت ہیں۔ جن کا شمار ممکن نہیں۔ یہ ۹ر اکتوبر ۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ حضرت جیؒ نے فرمایا تھا کہ " یہ بدکار سوم حجاب میں ہے۔"
میں نے یہاں بھی حضرت جیؒ کے الفاظ نقل کرنے کی جرأت کی ہے۔ حجاباتِ الوہیت ختم ہو کر جو قربِ الٰہی شروع ہوتا ہے وہاں مقامات و منازل کی تعیین نہیں ہو پاتی۔
لیکن یہ یاد رہے کہ حضرت کا وصال ۱۸ر فروری ۱۹۸۴ء کو ہوا۔ غالباً سترہ[17] سال چار[4] ماہ اور نو[9] روز بعد۔ ان

ساڑھے سترہ برسوں میں اس مسافر کو رب ذوالجلال نے جس قدر بلندئ منازل طے کروائی یہ بات وہ خود ہی جانتا ہے۔

اب اس کا دوسرا پہلو مناصب کا ہے۔ اقطاب غوث اور یاد رہے کہ غوث روئے زمین پر ایک وقت میں ایک ہوتا ہے۔ گاہے ترقی پا کر قیوم بنتا ہے اور پھر فرد۔ اگر اس سے ترقی نصیب ہو تو پھر قطبِ وحدت اور قطب وحدت اگر ترقی کرے تو صدیق بنتا ہے۔

خدا کیلئے ان الفاظ کو خارزارِ لغت میں گھسیٹنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ کہ یہ اسماء ہیں مراتبِ ولایت کے اور مناصب اولیاء اللہ کے نام ہیں۔

میں پھر عرض کر دوں کہ نبی کے مناصب و منازل بحیثیت نبی، صحابی کے بحیثیت صحابی اور ولی کے بحیثیت ولی ہوتے ہیں۔

منصبِ صدیقیت کی آخر ایک اور صرف ایک مقام ہے یا منصب ہے جسے قرب عبدیت کہتے ہیں۔ اور وہ حضرت جیؒ اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں برسائے کو نصیب تھا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

یہ جملہ امور دلائلِ ذوقیہ سے متعلق ہیں اور صرف صاحبِ ذوق و احوال حضرات ہی جان سکتے ہیں یا پھر اعتماد ہو بیان کرنے والے پر۔ مگر ایک دلیل ایسی بھی پیش کرنا چاہوں گا جسے ہر صاحبِ عقل بھی سمجھ سکے اور وہ یہ ہے کہ برکاتِ نبویؐ یا معجزاتِ نبویؐ میں ایک کمال یہ تھا کہ ہر آنے والا صحابی بن جاتا تھا۔ مرد عورت، بچہ، بوڑھا، عالم، جاہل، شہری یا بدوی

گورا ہو یا کالا، ہر آنے والا ایک نگاہ میں درجہ صحابیت حاصل کر لیتا تھا۔ پھر خود صحابہ کرامؓ کے اندر جو مدارج ہیں وہ علیحدہ بات ہے صحابہ میں بھی یہ کمال منعکس اور منتقل ہوا کہ ان کی صحبت اور زیارت سے مشرف ہونے والا تابعی بن جاتا تھا۔ تابعین کو بھی یہ کمال حاصل ہوا کہ ان کی نگاہِ شفقت تبع تابعی بنا دیتی تھی۔ خیر القرون کے بعد امتِ مرحومہ میں سے بے شمار جلیل القدر ہستیاں آئیں اور اللہؒ نے ہر دور اور ہر ملک میں بہت اعلیٰ مدارج کے حامل اولیاء اللہ پیدا فرمائے۔ لیکن ساری تاریخ میں کوئی ایسی ہستی نہیں مل سکتی جس کے پاس حاضر ہونے والے تمام افراد کے قلوب منور ہو جائیں، لطائف روشن ہو جائیں اور ولایت خاصہ سے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور مل جائے۔ بلکہ بے شمار افراد آئے جن میں سے مخصوص چند حضرات ایسے خوش نصیب ہوئے جو سینہ روشن لے کر جاتے۔ باقی سب لوگ ظاہراً بیعت اور تعلیمات ہی تک رسائی پائے اور بس۔

یہ حقیقت کسی ایک یا دو یا چند حضرات کے بارے عرض نہیں کر رہا بلکہ یہ چودہ صدیوں پہ پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور جب اس کے ساتھ نگاہِ قلزم، فیوض بحر العلوم حاملِ قربِ عبدیت حضرت استاذی المکرم و محترم کی جانب اٹھتی ہے تو وہی بہار لٹتی نظر آتی ہے۔ یعنی خدمت میں آنے والے ہر آدمی کا سینہ منور ہو جاتا ہے ایک نگاہ میں لطائف چمکنے لگتے ہیں۔ کوئی بھی فیوضات و برکات روحانی و قلبی سے محروم نہیں رہتا۔ یہ اور بات ہے کہ جس کا جتنا ظرف ہے یا جتنا نصیبہ ہے اتنا ہی پا سکتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت واضح ہے کہ لا یشقیٰ جلیسہٗ۔ اور اس گئے گذرے دور میں بارگاہِ نبویؐ میں کشفاً اور روحانی طور پر باریاب ہونے والوں کی تعداد ہزاروں تک بڑھ جاتی ہے سبحان اللہ۔

یہ چند سطور بطور تعارف لکھ دی ہیں کہ احباب کو کسی حد تک اپنے شیخ کی عظمت کا اندازہ نصیب ہو اب وصال کے حالات عرض کرتا ہوں۔ **وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔**

یوں تو یہ ۱۹۷۶ء کی بات ہے جب میں حضرت جیؒ کے ہمرکاب تھا تو روضۂ اطہر سے رخصت ہونے کا منظر فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت سر جھکائے دست بستہ پر کاہ کی طرح لرزاں کھڑے تھے۔ اور اس شدت سے رو رہے تھے کہ جسے زار و قطار کہا جائے تو غالباً مفہوم ادا نہ ہو۔ حضرت ٹوٹ کے برسے اور بلک بلک کر روئے۔ ایک اس قدر مضبوط اور عظیم انسان جس نے مردانہ وار ہر اس طاقت کو للکارا جو اسلام کے خلاف ابھری۔ اور زندگی بھر عصمتِ رسولؐ اور عظمتِ صحابہؓ کی پاسداری کی۔ جسے میں نے سفر و حضر میں، ہنگاموں اور اجتماعات میں اور تنہائی و علیحدگی میں ہر حال میں ایک چٹان کی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ مضبوط پایا۔ اس ہستی کو اس طرح ٹوٹتے، بکھرتے، اور قدموں پہ نثار ہوتے دیکھ کر یہ سمجھ لیا کہ آپ کی یہ آخری حاضری ہے۔ اور پھر شاید اس مادی جسم کے ساتھ یہاں حاضری نہ ہو سکے۔

اس کے بعد کتنے پروگرام عمرہ کیلئے اور حرمین

شریفین کی حاضری کے بنے۔ ہر بار میں نے جناب کرنل مطلوب حسین صاحب سے یہی عرض کیا کہ میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ اب حضرت وہاں حاضر نہیں ہو رہے اور ہر بار وہی ہوا۔ لیکن اس میں ایک بات تھی، یہ کھٹکا نہ تھا کہ حضرتؒ کا فوراً وصال ہو جائے گا۔ صرف یہ تھا کہ اب شاید دوبارہ حرمین شریفین میں حاضر نہ ہوں۔

پھر پچھلے سال احباب کو یاد ہو گا کہ جب لنگر مخدوم کے پروگرام پر حضرت جیؒ نے جماعت کیلئے خصوصی احکام و ہدایات ارشاد فرمائیں تو جناب کرنل قریشی صاحب بندہ کے پاس تشریف لائے اور مبارک باد دی کہ تمہیں حضرت نے بہت نوازا ہے اور اللہ کا بڑا احسان ہے تو انہیں یاد ہو گا کہ میری آنکھیں جل تھل تھیں اور میں نے ان سے عرض کیا تھا کہ مجھے اس میں حضرتؒ کے وصال کی خبر نظر آتی ہے۔

وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا۔ حضرت کی خدمت میں حاضری اور معمولات جاری رہے کہ امسال جنوری میں مجھے اوکاڑہ ایک سیرت کانفرنس پہ جانا پڑا۔ جو چھاؤنی میں منعقد ہوئی تھی۔ واپس آکر میں نے حضرت جیؒ کی خدمتِ عالیہ میں حاضری دی۔ بہت دیر تک جلسہ کی کاروائی کا پوچھتے رہے۔ بہت خوش ہوئے اور پھر احباب سے بھی بارہا اس کا تذکرہ فرماتے رہے۔

اس روز حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے کچھ تکلیف ہے آپ کا خیال تھا کہ غالباً کوئی دوائی ایسی کھالی ہے جس سے منہ اور زبان خشک ہے۔ یہ تکلیف بڑھتی رہی تا آنکہ منہ مبارک اندر سے پھٹنے لگا اور خون تک رسنا شروع ہو گیا۔ کھانا تو درکنار کوئی چیز پینا بھی مشکل ہو گیا۔ راولپنڈی اطلاع گئی اور حضرت بیگ صاحب اور کرنل محمد شبیر کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ حضرت کی زندگی کے آخری سفر میں ہمرکاب تھے۔

اسلام آباد جناب فضل کریم بٹ صاحب کے گھر میں حضرت جیؒ کا علیحدہ کمرہ ہے آپ وہاں تشریف لے گئے دوسرے دن بندہ بھی حاضر ہوا۔ احباب جمع تھے۔ علاج شروع ہوا۔ اور بحمدللہ جس حد تک ممکن تھا علاج ہوا۔ احباب نے جی بھر کے خدمت کی اور جھولیاں بھر بھر کر انوار و کیفیات کو لوٹا۔ دور دراز سے احباب حاضرِ خدمت ہوتے رہے اور دیدار پرانوار سے دل و نگاہ کو روشن کرتے رہے۔ تکلیف بہت بڑھتی گئی۔ غذا تو درکنار حضرتؒ بات کرنے سے عاجز تھے۔ لکھ کر ارشاد فرماتے تھے کاپی پنسل میز پر رکھی رہتی۔ پھر مزید تکلیف بڑھی تو ملٹری ہسپتال میں حضرتؒ کو لایا گیا۔ ایک خصوصی کمرہ حضرت کیلئے تھا اور ڈاکٹروں کا بورڈ۔ یہ سلسلہ کافی دنوں چلا کہ طبیعت سنبھل گئی۔ جناب ڈاکٹر عظمت اور خادمِ خاص ملک احمد نواز صاحب شب و روز بارگاہِ عالی میں حاضر تھے۔ گھر سے بھی لوگ آئے اور شرفِ ملاقات حاصل کر کے واپس ہوئے۔ نیز حضرتؒ بہت تسلی دیتے تھے اور سب کو ہمت اور حوصلے کی تاکید فرماتے کہ بندہ ایک شام کو حاضر ہوا۔ بہت سے احباب تھے اور حضرتؒ مختلف صاحبِ نظر خدام کو مشائخ سے رابطہ کراتے اور حالات کے بارے سوال فرماتے۔ جس میں ایک بات یہ بھی تھی کہ مشائخ سے پوچھو میں کس روز گھر جا رہا ہوں

اس روز جمعرات تھی تو جواباً ارشاد ہوا کہ اگلے اتوار کو آپ گھر تشریف لے جائیں گے کہ بندہ سے مخاطب ہوئے تو اور باتوں کے علاوہ میں نے عرض کیا حضرت آپ کا چلہ پورا ہو چکا ہے۔ میری ناقص رائے میں آپ کی آخری منازل کا تقاضا تھا کہ من جانب اللہ آپ سے مجاہدہ کرایا گیا خوراک ختم، بات کرنا ختم اور آنکھ جھپکنا ختم ہو گیا۔ یعنی قلت طعام، قلت کلام اور قلت منام کا وہ کڑا معیار پورا کرایا گیا جو صرف ان ہی کا حصہ بھی تھا اور حوصلہ بھی۔ کہ کسی نے آپ کے لب مبارک سے اُف تک نہ سنی۔ نماز ادا فرماتے بمشکل اشارے کے ساتھ اور یار پھر احباب کو رخصت فرماتے رہے۔ رخصت فرمانے کا انداز جداگانہ تھا ہر ساتھی کو بالکل اس طرح رخصت فرمایا جیسے یہ آخری بار رخصت فرما رہے ہیں غالباً اہل فہم نے محسوس بھی کیا ہوگا اور گھر سے بھی جب خود رخصت ہوئے تو بالکل فارغ ہو کر تمام مسائل کا حل عطا کر کے کہ میرے بعد کیا کرنا ہوگا، جائیداد کا کیا ہوگا، اور کس آدمی کو کیا فریضہ سونپا جائے گا۔ میری قبر کہاں ہوگی اور اس کے ساتھ کیا کچھ تعمیرات کی جائیں گی۔ جماعت اور سلسلہ کے احباب کس طرح اپنا کام جاری رکھیں گے۔ غرض ہر طرح سے مکمل ہدایات دیں اور یہ اس کا ثبوت ہے کہ آپ کے وصال کے بعد کوئی ایسا سوال موجود نہیں جس کا جواب حضرتؒ عطا نہ فرما گئے ہوں۔ خیر جو بات میں نے منازل کے بارے عرض کی تھی دراصل تو وہ بھی وصال کی خبر تھی کہ جہاں تک منازل طے فرمانے تھے بحمد اللہ پورے ہوئے۔

بندہ نے دوسری روز جمعہ پنڈی پڑھایا اور واپس آ گیا حضرت اسلام آباد تشریف لے گئے بیماری دور ہونے لگی تا آنکہ ڈاکٹروں نے علاج ختم کر دیا۔ بندہ حاضر ہوتا رہا اور آخری بار جمعرات کو حاضر ہوا۔ مختلف باتیں مختصراً ارشاد فرمائیں اور واپسی کی اجازت بخشی۔

جمعہ منارہ پڑھا۔ ہفتے کے روز طبیعت بے چین سی تھی تو بندہ گھر سے نکلا۔ راستے میں عزیزم خدا بخش کو لیا اور ڈلوال محمد یوسف صاحب کے پاس چلا گیا۔ بات دراصل یہ تھی کہ دل کو قرار نہ تھا۔

اثنائے راہ میں عزیزم خدا بخش سے بات بھی کی کہ حضرتؒ کی طرف سے دل بہت متفکر ہے۔ اور باوجود اس کے کہ حضرت روبصحت ہیں مجھے حضرتؒ کے صحت یاب ہو کر واپس آنے کی امید نہیں۔ پھر محمد یوسف صاحب سے پنڈی جانے کا پروگرام بنا اور واپس آ گئے۔ اب میں وہ بات عرض کروں جس کی خاطر یہ سب تمہید عرض کی ہے۔

میں نے مغرب کی نماز ادا کی تو انوار کی بارش نے گھیر لیا۔ حتیٰ کہ میرے لئے بیٹھنا محال ہو گیا۔ میں بستر پر لیٹا تو استغراق طاری ہو گیا۔ استغراق راہِ سلوک کی ایک کیفیت ہے جس میں ظاہر بدن بے حس ہو جاتا ہے اور روح پوری طرح متوجہ الی اللہ بھی ہوتی ہے۔ جسم کی حالت سے باخبر بھی یہاں تک کہ لوگوں کی باتیں سنائی دیتی ہیں جواب کی ہمت نہیں ہوتی۔

یہ ساڑھے چھ بجے شام کا وقت تھا کہ بارگاہِ نبوت سجی تھی۔ مجھے تقریباً پچیس سال ہوئے ہیں کہ میں بارگاہِ نبوت کی حاضری سے مشرف ہوں۔ الحمد للہ مجھ بے نوا

پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ شیخ کامل کو وسیلہ بنا کر میری جوانی کی طویل راتوں کو محفلِ نبوی ؐ سے چراغاں کر دیا۔ غالباً یہ شعر اگر میں اپنے شیخ کیلئے عرض کروں تو سب سے زیادہ مناسب ہوگا:

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

میں نے اپنی اس طویل حاضری میں اس طرح کا اجتماع نہ دیکھا تھا۔ خصوصاً شیخین کریمین امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو بہت زیادہ متوجہ پایا۔ اور خصوصی اہتمام میں حضرت جیؒ کو گھیرا پایا میں بے نوا ہمرکاب تھا۔ بہت شاندار اور عجیب طرح کا لباس حضرت کے زیبِ تن تھا۔ سر پر تاج جگمگا رہا تھا۔ خصوصی نشست بنی تھی اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تبسم کناں ابرِ رحمت برسا رہے تھے۔ اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ یہ عزت افزائی جو ایک بالکل انوکھی طرز پر ہے۔ غالباً حضرت جیؒ کو کوئی بہت ہی خاص منصب عطا ہو رہا ہے اور یہ کیفیت ساڑھے چھ بجے سے لیکر پونے آٹھ بجے تک رہی۔ میں نے حضرت جیؒ سے بارہا سنا تھا کہ مراقبہ فنا فی الرسول اگر مضبوط ہو تو ایسے لوگوں کی ارواح قبض کر کے پہنچائی نہیں جاتیں بلکہ روح تو دربارِ نبوی ؐ میں حاضر ہوتی ہے اور ملک الموت جسم سے دنیوی زندگی والا تعلق ختم کر دیتا ہے۔ لیکن اس کا مشاہدہ اس روز ہوا اور حضرت جیؒ کے وصال پر ہوا کہ جن مبارک ارواح کو حضوری حاصل ہوتی ہے انہیں کس طرح شرفِ باریابی حاصل ہوتا ہے۔ ساری کیفیات کو نقل کرنا محال ہے۔ اگر احباب میں سے کسی کو شوق ہو تو صاحب کشف احباب کو انشاءاللہ ایک نگاہ میں وہ ساری کیفیات دکھائی جا سکتی ہیں۔ اور دوسروں کو اگر شوق ہو تو محنت کریں کہ باطن روشن ہو جائے۔

وَمَا تَوفِيقِي إِلَّا بِاللهِ۔

میں اسی طرح ان کیفیات میں مستغرق تھا کہ عزیزم کرنل محمد اکرم صاحب کی طرف سے ٹیلیفون پر اطلاع پا کر ایک آدمی دوڑتا آیا اور حضرت جیؒ کے وصال کی خبر دی۔ میں اگرچہ بڑی شدت سے اپنی کیفیت میں مستغرق تھا مگر صحن میں یہ آواز کہ حضرت کا وصال ہوگیا ہے سن کر استغراق ختم ہوگیا۔ میں اٹھ بیٹھا۔ گاڑی نکالی اور راولپنڈی روانہ ہوگیا۔ جسد مبارک اپنے کمرے میں محو استراحت تھا اور روح مبارک اعلیٰ علیین میں متوجہ الی اللہ۔ احباب پروانہ وار نچھاور ہو رہے تھے۔ پشاور سے لاہور تک آنے والے آ رہے تھے کہ دو بجے رات حضرتؒ کے جسد مبارک کو غسل دیا گیا۔ حضرت بیگ صاحب زاہد صاحب، بابا قادر بخش خصوصی خدمت پر مقرر تھے۔ اور باقی جملہ احباب بھی اپنا اپنا فرض ادا کر رہے تھے۔ سحری کو تین بجے وہاں سے نکلے۔ میں زندگی میں آخری بار حضرتؒ کی سواری کی موٹر چلا رہا تھا۔ فجر کی نماز دارالعرفان میں ادا کی۔ اور یہاں میں نے روح پر فتوح کو دارالعرفان کی طرف متوجہ پایا۔ برادرم کرنل مطلوب حسین صاحب مسلسل اصرار کر رہے تھے کہ حضرت جیؒ سے اجازت کیوں نہیں

حاصل کرتے کہ جسدِ مبارک کو دارالعرفان میں دفن کیا جائے۔ میں نے پوری کوشش کی، عرض کیا کہ حضرت آپ کے اہلِ خانہ کو یہاں گھر بنا کر پیش کر دیں گے۔ اور ہر طرح سے آرام میں ہوں گے انشاء اللہ۔ مگر نہیں فرمایا زندگی میں بے شمار افراد کو مجھ پہ بھروسہ تھا اور اللہ نے مجھے ان کا آسرا بنا دیا تھا۔ تم سب کو یہاں نہیں لا سکتے۔ اب میری قبر ان کیلئے ایسی ہی آسرا ہو گی جس طرح زندگی میں میری ذات تھی۔ اور آپ نے حرف حرف حق ارشاد فرمایا۔ سبحان اللہ کیا لجپال لوگ تھے۔ اللہ ان پر کروڑوں کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین!

میں حالاتِ دنیوی اور دفن کے ارکان کی تکمیل عرض کرنا نہیں چاہتا۔ کیفیات عرض کر رہا ہوں۔ حتیٰ کہ پچھلے پہر جنازہ اٹھا۔ پہلے عصر کی نماز اور پھر نمازِ جنازہ مجھ بے نوا نے پڑھائی۔ لحد میں اتارا۔ ایک ہجومِ عاشقاں تھا جسے سنبھالنا میرے بس سے نکل نکل رہا تھا۔ اپنا دل درد سے پھٹنے کو آ گیا تھا۔ لیکن مجبور تھا کہ مجھے بے شمار یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنا تھا اگرچہ میں خود یتیم ہو چکا تھا۔ مگر بحمدللہ بالغ تھا۔ مگر مجھ سے چھوٹے میرے ساتھ لپٹ لپٹ رہے تھے۔ سو بحمدللہ تمام مراحل طے ہوئے۔ اور یہ اتوار کی شام تھی جس کے بارے مشائخ کرامؒ نے اطلاع دی تھی کہ آپ گھر پہنچ جائیں گے۔ اس سے مراد دنیا کا گھر تھا تو بھی اور برزخ کا مکان تھا تو بھی دونوں طرح سے درست ثابت ہوئی۔

میں ذرا سخت مزاج اور مضبوط قسم کا آدمی ہوں۔ مجھ پہ گریہ طاری نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ بیت اللہ شریف کے سامنے لوگوں کو دھاڑیں مارتا دیکھ کر جی چاہتا کہ میں بھی روؤں لیکن کیسے؟

اور پھر دوسری دفعہ حضرت جیؒ کے ہمرکاب عمرہ کیلئے حاضری نصیب ہوئی تو مدینہ منورہ میں روضۂ اطہر کے قریب عشاء کے وقت ایک ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مدنی حیاتِ مبارکہ کے مختلف حالات و مناظر منکشف ہونا شروع ہوئے جب بات وصالِ نبویؐ پر پہنچی۔ حضورؐ کا سفرِ آخرت منکشف ہوا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا کس طرح محبوب کو لحد میں اتار رہے ہیں اور کس دل سے قبرِ اطہر پر مٹی ڈال رہے ہیں تو دل پھٹ پڑا۔ رونا آیا اور یوں آیا کہ آج تک نہیں تھا۔ خود ہی بیان کر رہا ہوتا ہوں اور خود ہی رو بھی رہا ہوتا ہوں اور پھر رہی سہی کمی حضرت جیؒ کے سفرِ آخرت نے پوری کر دی۔

میں نے خود قبر کو سنوارا۔ خود پتھر اپنی گاڑی پر لاد کر ڈھوئے۔ حضرتؒ کا جنازہ پڑھایا اور اپنے شیخ اپنے بزرگ، اپنے مربی اور اپنے استاد کو لحد میں اتروایا۔ وجودِ مبارک بیگ صاحب، زاہد صاحب اور کرنل سلطان کے ہاتھوں میں تھموایا۔ کیا کڑی آزمائش تھی۔ کہ کرنل سلطان جیسا مضبوط آدمی چھلک پڑا۔ اور جسدِ مبارک سے چمٹ گیا۔ پھر مٹی ڈالی اور قبر بنا دی۔

تو میں نے جو احباب صاحبِ بصیرت مجھے مل سکے سب کو جمع کر کے قبر شریف کے پاس بٹھایا کہ جو سمجھ آئے مجھے بھی اطلاع کرنا۔

لیکن واللہ باللہ جیسے قبر پہ مٹی ڈالی گئی تو ایک تجلی تھی ایک جلوہ تھا، ایک چمک تھی جو ایک آن میں لپکی اور حضرت بھی اسی کے ساتھ منازلِ بالا کو تشریف لے گئے۔
اگر فرشتے تھے تو اسی چمک میں تھے اور اگر سوال جواب ہوئے تو اسی میں ہوئے ہوں گے۔ اگر بارگاہ رب العزت کی پیشی ہوئی تو اسی میں ہوئی ہوگی۔ ہم ناکارہ تو اس سے آگے کچھ دیکھ نہ سکے۔

اس کے بعد کیا ہُوا، کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو گا یہ الگ بات ہے ہاں اتنا عرض کردوں کہ حضرت جیؒ نے دو باتیں ارشاد فرمائی تھیں۔ ایک یہ کہ پوری توجہ اور محنت سے جماعت کو چلاؤ۔ انشاءاللہ کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اگر کوئی اختلاف کرکے جانا چاہے تو اسے پیچھے سے آواز دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تمہیں کسی کا محتاج نہیں رکھے گا۔ ممکن ہے الفاظ کچھ حد تک بدل گئے ہوں مفہوم یہی تھا اور یہی مفہوم اس ارشاد نبوی کا تھا کہ جس سے اسی شام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بے نوا کو نوازا۔ دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ فضل کریم بٹ صاحب نے میری بہت خدمت کی ہے۔ جماعت کے دنیاوی امور میں ان سے مشورہ لیا کرنا۔ اس کی تعمیل میں میں نے انہیں ناظمِ اعلیٰ صاحب کا مشیر مقرر کیا ہے جملہ احباب کو اطلاع رہے۔ تیسری بات آپ کے گھر کے متعلق تھی۔ یہ چند جملے احبابِ حلقہ اور اصحابِ ذوق حضرات کیلئے ہیں۔

نہ کسی کو مخاطب کیا ہے نہ کسی سے غرض۔ ایک کیفیت بطور امانت تھی جو نقل کر دی۔ میرے خیال میں اس پر کسی کو فتویٰ صادر کرنے کا تکلف نہ کرنا چاہیئے لیکن اگر کوئی نہ ہی رہ سکے تو اپنا شوق پورا کر لے۔ میں سب کیلئے صرف دعا کروں گا تاکہ اللہ جملہ مسلمانانِ عالم کو استقامت علی الدین نصیب فرمائے خصوصاً احبابِ حلقہ کو ہمت، استقامت اور بلندی درجات عطا کرے۔ مجھ بے نوا کو دین کی خدمت کی توفیق ارزاں فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر کرے اور برزخ اور آخرت میں شیخِ مکرم کے ساتھ بارگاہِ نبویؐ میں باریاب رہنے کی توفیق ارزاں رکھے۔ آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

فقیرِ بے نوا دعاگوئے عالم

محمد اکرم اعوان

(منارہ ۔ ضلع جہلم)

چراغِ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

رشک و حسد

(حافظ عبدالرزاق)

۱

حدیث

انظروا الیٰ من ھو اسفل منکم ولا تنظروا الیٰ من ھو فوقکم فذالک اجدر ان لا تزدروا نعمت اللہ علیکم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

" دنیا میں اپنے سے کم والے کو دیکھو اپنے سے زیادہ کو نہ دیکھو۔ ایسا کرنے سے امید ہے کہ تم اللہ کی نعمت کو حقیر نہ جانو گے۔"

انسان کے لئے سب سے قیمتی اور عظیم دولت یہ ہے کہ اس کے قلب کا رشتہ اپنے رب سے جڑا رہے۔ اگر یہ رشتہ کٹ گیا تو انسان کا بس لفافہ رہ گیا۔ اندر کا انسان رخصت ہوگیا۔ اللہ کے رسول اسی رشتے کو جوڑنے قائم رکھنے اور مضبوط کرنے کیلئے آتے رہے اور اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی کام کی تکمیل کر کے دکھادی۔

اپنے رب سے انسان کے تعلق کے کمزور پڑنے کی علامت یہ ہے کہ انسان کو اپنے رب سے گلہ اور شکایت پیدا ہونے لگتا ہے۔ پھر وہ بدگمانی کا شکار ہوتا ہے پھر وہ مکمل طور پر تعلق توڑ بیٹھتا ہے اور یہ انسان کی تباہی کی آخری حد ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک ایسے خطرہ سے آگاہ فرمایا جو ابتدا میں بالکل معمولی نظر آتا ہے مگر نتیجہ کے اعتبار سے نہایت تباہ کن ہے۔ وہ خطرہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ طبعاً نقال ہوتا ہے۔ دوسروں کو جیسے دیکھتا ہے ویسا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ بالخصوص جب کسی دوسرے کی کوئی ادا پسند آجائے۔

ظاہر بین لوگوں کیلئے مرعوب اور پسندیدہ چیزیں مال و دولت، صحت اور جاہ و مرتبہ ہی ہوتا ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اس اعتبار سے لوگ مختلف درجے کے ہوتے ہیں۔ کوئی امیر کوئی غریب کوئی تندرست کوئی بیمار، کوئی قائد کوئی پیرو۔ اور یہ بھی

ایک حقیقت ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو کسی اعتبار سے محروم تصور کرے وہ جب دوسروں کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں رشک و حسد کے جذبات ابھرنے لگتے ہیں۔ مگر یہ ایک ایسا بیکار مشغلہ ہے کہ کسی کو کسی لحاظ سے اچھی حالت میں دیکھ کر کڑھنے سے نہ اس کا کچھ بگڑتا ہے نہ اپنا کچھ سنورتا ہے۔ البتہ ایک زبردست نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اپنے رب سے بدگمانی ہونے لگتی ہے اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ اسے یہ نعمت کیوں میسر ہے اور میں کیوں محروم کر دیا گیا ہوں۔

اس خطرے سے آگاہ فرماتے ہوئے حضور اکرم ﷺ نے اس سے بچنے کی یہ تدبیر بتائی کہ ہمیشہ اپنے سے کم حیثیت والے آدمی کی طرف دیکھا کرو جس کا نتیجہ ایک تو یہ ہوگا کہ تمہارے اندر حسد کے جذبات نہیں ابھریں گے۔ دوسرا محرومی کا احساس نہیں ہوگا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تمہارے اندر اللہ تعالٰے کی نعمت کی قدر کرنے اور شکریہ ادا کرنے کا جذبہ ابھرے گا۔ وہ یوں کہ کم حیثیت والا انسان بھی میری ہی طرح کا انسان ہے مگر اللہ تعالٰے نے مجھ پر کیسا کرم فرمایا کہ میں صحت کے اعتبار سے اس سے کہیں زیادہ تندرست ہوں یا مال کے اعتبار سے اس کی نسبت بہت خوشحال ہوں یا عزت و آبرو کے لحاظ سے لوگ مجھے زیادہ عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ عمل صرف نگاہ کا زاویہ بدلنے اور سوچ کا انداز بدلنے کا ہے۔ مگر اس کا فائدہ اتنا عظیم ہے کہ آدمی یہاں چین اور سکون سے زندگی بسر کر سکتا ہے اور اس کی آخرت نہایت شاندار بن سکتی ہے۔

اسی حقیقت کو آدمی ایک اور زاویے سے دیکھے تو اسے یہ احساس بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالٰے نے مجھے جو کچھ دے رکھا ہے اگر وہ چاہتا تو مجھے اس سے بھی محروم کر سکتا تھا بلکہ اس کم حیثیت والے آدمی سے بھی زیادہ محروم رکھ سکتا تھا۔ اس احساس کے ابھرنے سے اس کے دل میں اللہ تعالٰے کی نعمت کی قدر پیدا ہوگی اور اس سارے عمل کی بنیادی وجہ اپنے سے کم حیثیت والے شخص کی طرف دیکھنا ہے۔

اس کے برعکس اگر دنیوی اعتبار سے اپنے سے اونچی حیثیت والے آدمی کو دیکھا تو جو نعمت اب میسر ہے اس کی بھی ناقدری ہوگی اور اس ناقدری کا نتیجہ ذہنی پریشانی اور قلبی بے چینی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے شعوری یا غیر شعوری طور پر مخالفت کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ معاشرے کا ایک طبقہ جو کسی وجہ سے خوشحال یا کھاتا پیتا ہے اسے دیکھ کر معیار زندگی بلند کرنے کی آڑ میں مادہ پرستی کی ایک دوڑ شروع ہے معمولی تنخواہ والا ملازم جب اپنے آس پاس ہی (T.V) ٹی۔وی سے لطف اندوز ہوتے والے پڑوسیوں کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں محرومی کا احساس اور پڑوسیوں سے حسد دونوں جذبات اٹھتے ہیں پھر وہ اپنے آپ کو اسی معاشی سطح پر لانا چاہتا ہے۔ اس کے وسائل اس کی اجازت نہیں دیتے۔ پھر وہ ناجائز وسائل تلاش کرتا اور اختیار کرتا ہے۔ سچ پوچھیے تو

ہمارے ہاں رشوت کی گرم بازاری کی بنیادی وجہ اسی حدیث کی مخالفت ہے۔ اور اس خود نمائی کی دوڑ میں ہر شخص دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتا ہے۔ اور اسی مسابقت کی وجہ سے رشوت کے نرخ روز بروز بڑھ رہے ہیں۔ سینکڑوں کی جگہ اب لاکھوں نے لے لی ہے۔ کیونکہ "تعیّشات" کی فہرست میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور "ضروریات" پر کوئی اکتفا نہیں کرتا۔ ہر شخص پریشان نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ جن لوگوں کو زندگی کی تمام سہولتیں میسر ہیں وہ بھی مطمئن نہیں۔ کیونکہ اس کی نگاہ کسی ایسے شخص پر جمع ہوگی جو کسی اعتبار سے زیادہ حیثیت رکھتا ہے۔ لاکھوں میں کھیلنے والے خواب آور گولیاں کھائے بغیر رات کو سو نہیں سکتے اور نا روا طریقوں سے جاہ و منصب پانے والے مسلح پہروں کے سائے میں بھی رات آرام سے نہیں کاٹ سکتے۔ جس سے ظاہر ہے محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی یا مخالفت کرنے سے صرف یہی نہیں کہ آخرت بگڑتی ہے بلکہ دنیا میں بھی سکون نہیں مل سکتا۔

توکل اور بھروسہ – عمل – مطمئن

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خبر تو تیز رہنا۔

لو انکم تتوکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقتم کما ترزق الطیر تغدوا خماصا وتروح بطانا (ترمذی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جس طرح کہ توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو یوں روزی دے جیسے پرندوں کو روزی دی جاتی ہے۔ وہ یوں کہ صبح سویرے خالی پیٹ نکلتے ہیں اور رات کو آسودہ ہو کر پلٹتے ہیں۔"

اس حدیثِ نبویؐ میں دو باتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اول یہ کہ تم اطمینان سے زندگی بسر کرنا چاہتے ہو تو اللہ پر بھروسہ کرنا سیکھو جس کا نام توکل ہے۔ دوم یہ کہ توکل کی حقیقت بیان فرما دی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے دو امور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اول تعلیم، دوم تربیت۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ تعلیم کے انداز میں ہی تربیت کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ اور انسان کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب علم کے ساتھ عمل بھی شامل ہو۔

اس حقیقت سے ہر مسلمان واقف ہے کہ

قرآن وسنت کے الفاظ کے صحیح معانی اور مفہوم کی حقیقت صرف اسی وقت معلوم ہو سکتی ہے جب ان الفاظ کے وہی مفہوم لئے جائیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے متعین فرمائے ہیں۔ اور اگر الفاظ اللہ اور رسولؐ سے لئے جائیں اور معانی اور مفہوم اپنی پسند کے متعین کئے جائیں تو اس کا نتیجہ اللہ اور رسولؐ پر عدم اعتماد کا اظہار بھی ہے اور گمراہ ہونے کا صرف اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے۔

توکل کی اہمیت اللہ تعالےٰ نے یوں بیان فرمائی ہے کہ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ. یعنی ایمان کی علامت یہ ہے کہ انسان کو صرف اللہ تعالےٰ پر بھروسہ ہو۔ دوسرے مقام پر فرمایا وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ یعنی جو اللہ پر بھروسہ کرے۔ اللہ اس کے لئے کافی ہے۔

مگر اللہ پر توکل اور بھروسہ کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک مثال کے ذریعے فرمائی کہ تم دیکھتے ہو کہ پرندے صبح ہوتے ہی اپنے گھونسلوں سے نکل کھڑے ہوتے ہیں تاکہ اپنی روزی اور ضروریاتِ زندگی کی تلاش میں سرگرمِ عمل ہو جائیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شام کو جب وہ لوٹتے ہیں تو پیٹ بھرے ہوتے ہیں۔ آسودہ حال اور مطمئن ہوتے ہیں۔ اسی کا نام توکل ہے۔ سکھایا یہ جا رہا ہے کہ جس طرح اللہ تعالےٰ نے پرندوں کو پَر عطا کر رکھے ہیں اور وہ ان سے پورا پورا کام لیتے ہیں۔ اسی طرح تمہیں بھی اللہ تعالےٰ نے ذہنی اور جسمانی ہر طرح کی صلاحیتیں عطا کر رکھی ہیں۔ تم اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ ان تمام قوتوں اور صلاحیتوں سے اللہ تعالےٰ کی رہنمائی کے مطابق خوب کام لو۔ رزمگاہِ حیات میں یہی قوتیں تمہارا اسلحہ ہیں۔ پھر اپنی ساری کوششوں کا نتیجہ اللہ کے سپرد کر دو۔ تمہاری کوششوں کا نتیجہ جس انداز میں اور جس مقدار میں اللہ کی حکمت کے مطابق تمہارے لئے مفید اور مناسب ہوگا اللہ کی جانب سے ظاہر ہو کے رہے گا۔ یہی توکل ہے اور اسی میں تمہارے لئے سکون و اطمینان کا راز مضمر ہے۔

اور اگر تمہارا رویہ اس کے برعکس ہوگا تو پریشانی اور مایوسی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

برعکس رویہ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ تم اپنی خداداد صلاحیتوں سے کوئی کام ہی نہ لو۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے تمہاری کوششوں کا جو نتیجہ ظاہر ہوا ہے۔ تم اسے غلط، ناقص یا معیار سے کم سمجھو تو تمہیں لازماً پریشانی اور مایوسی کا شکار ہونا پڑے گا۔ معلوم ہوا کہ توکل کے دو پہلو ہیں ایک عمل میں کوتاہی نہ کرنا۔ دوم نتیجہ سے بے فکر ہو جانا۔ اور جو نتیجہ نکلے اس پر پوری طرح مطمئن ہونا۔

ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ اول تو ہم نے توکل کا مفہوم یہ سمجھا ہے کہ خود کچھ نہ کرو اور دوسروں پر بوجھ بن کے بیٹھے رہو اور یہ سمجھتے رہو کہ ہم بڑے متوکل ہیں۔ دوم یہ کہ جب اس بے عملی اور جمود کا فطری نتیجہ ظاہر ہو تو اللہ کے متعلق شکوہ و شکایت کا دفتر کھول دو کہ ہائے ایسا کیوں ہوا۔ یہ تو نہیں ہونا چاہیئے تھا۔

ایک دفعہ ایک دیہاتی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ تیرا اونٹ کدھر ہے؟ عرض کیا کہ اللہ کے بھروسے پر چھوڑ آیا ہوں۔ حضور اکرم نے فرمایا جاؤ پہلے اس کا گھٹنا باندھو۔ پھر اللہ پر توکل کرو

گفت پیغمبر بآوازِ بلند
بر توکل زانوئے اشتر ببند

یہ ہے توکل کا صحیح مفہوم۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس کی تعلیم ہی نہیں، بلکہ اس پر عمل کرا کے صحیح تربیت بھی فرمائی۔

اسی لئے اہلِ دل کہہ گئے ہیں ؎

گر توکل می کنی پس کار کن
کار کن پس تکیہ بر جبار کن

خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالے نے تمہیں جو ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں عطا فرما رکھی ہیں ان کو اپنی انفرادی ضرورتوں اور اجتماعی معاملات میں پوری تندہی سے کام میں لاؤ۔ اور پورے یقین کے ساتھ نتیجہ اللہ کے سپرد کر دو۔ اور اللہ تعالےٰ کی اس ضمانت پر دل سے ایمان رکھو کہ **ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ**۔ اور توکل کو غلط مفہوم پہنانے سے احتراز کرو اور اسے بے عملی اور جمود کا بہانہ نہ بنالو۔

فرد اور قوم کیلئے وقت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص اپنی بھلائی اور قوم کی بہتری کیلئے پورے طور پر سرگرم عمل ہو جائے۔ پھر دیکھئے کہ اللہ تعالےٰ ان کوششوں کا صلہ کیا دیتا ہے۔ ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

۳

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم السمت الحسن والتؤدۃ والاقتصاد جزءٌ من اربعۃ وعشرین جزءًا من النبوۃ۔

(میانہ روی)

ارشاد نبوی ہے کہ "حسنِ سیرت، بردباری اور میانہ روی نبوت کے اجزا میں سے چوبیسواں حصہ ہے"۔

اصلاح و تربیت کے سلسلہ میں یہ قاعدہ ہے کہ کسی اچھے کام کی ترغیب دلانے کیلئے کوئی انتہائی بلند معیار یا کوئی نہایت بے مثل نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ تاکہ انسان کے دل میں اس کمال تک پہنچنے کا شوق اور ولولہ پیدا ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخلاق عالیہ پیدا کرنے کیلئے یہی طریقہ اختیار فرمایا۔ کہ اخلاق عالیہ نبوت کا چوبیسواں حصہ ہے۔ یہ بات براہِ راست ان لوگوں سے کہی گئی تھی جو نبوت کے منصب اور مقام سے آشنا تھے۔ وہ جانتے تھے کہ نبی میں کمال

یہ ہوتا ہے کہ ایک طرف رب العالمین سے براہ راست ہمکلام ہوکر ہدایات لیتا ہے جو نبی کے بغیر کسی فرد بشر کیلئے ممکن نہیں اور دوسری طرف اِن ہدایات کے مطابق اپنی عملی زندگی کو مخلوق کیلئے قابل تقلید نمونہ بناکر پیش کرتا ہے۔ اور جو لوگ اس پر اعتماد کرکے اس کے گرد جمع ہوجاتے ہیں۔ ان کو اسی سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔ جو اللہ تعالٰے کے حکم کا منشا ہوتا ہے۔ اور جو لوگ اس کے مخالف ہوجاتے ہیں ان کے ساتھ بھی نبی کا رویہ نہایت مشفقانہ اور ناصحانہ ہوتا ہے چنانچہ انہیں ان کی اس غلط روش کے نتائج سے آگاہ کرتا رہتا ہے۔ یہ اخلاقِ عالیہ کا نقطۂ عروج ہے۔

اس حدیث میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین باتوں کا ذکر کیا ہے۔ حسن سیرت، بردباری اور میانہ روی۔ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ نہایت اہم ہے۔ مگر ذرا غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب صفات کی جان، مرکز اور اصل میانہ روی کی صفت ہے۔ میانہ روی کا لفظ سن کر ہر شخص اپنے علم، عقل، تجربہ اور مذاق کے مطابق اس کا مفہوم تصور کرلیتا ہے۔ مگر میانہ روی کی حقیقت یہ ہے کہ رب العالمین نے انسان کو دو ایسی قوتیں عطا فرمائی ہیں جو کارزار حیات میں اس کا بہترین اسلحہ ہے۔ مگر اس اسلحہ کو اگر سلیقے سے استعمال نہ کیا جائے تو یہ سپاہی کیلئے مہلک ترین بھی ثابت ہوتا ہے۔ وہ اسلحہ دو قوتیں ہیں

یعنی قوت شہویہ اور قوت غضبیہ ہے۔ ان قوتوں سے سلیقے سے کام لینے کا نام میانہ روی ہے۔ اور اس سلسلہ میں بھوٹرپن کی دو صورتیں ہیں۔ ایک افراط، دوسری تفریط۔ مثلاً اگر قوت شہویہ افراط کی طرف رخ کرے تو انسان میں حرص، لالچ، بددیانتی، غبن، ہیرا پھیری وغیرہ صفات پیدا ہوجاتی ہیں۔ اور اگر تفریط کی جانب چل پڑے تو زندگی سے بے زاری، بے دلی اور جمود کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اگر قوت غضبیہ افراط کی صورت اختیار کر جائے تو انسان اور درندے میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ اور اگر تفریط پائی جائے تو آدمی بالکل بے غیرت بن جاتا ہے۔ لہٰذا حضور صلّی اللہ علیہ وسلم نے دونوں انتہاؤں سے بچ کر اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی تلقین اور تاکید فرمائی۔

اگر بہ نظرِ غور دیکھا جائے تو انسان اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ موجودہ معاشرے میں جس قدر برائیاں پھیل رہی ہیں اور پھیل چکی ہیں ان کی بنیادی وجہ صرف یہی ہے کہ ان دونوں قوتوں کو افراط کی جانب کھینچا جا رہا ہے یا ر تفریط کی نذر ہورہی ہے۔ نیچے کا طبقہ ہو یا ر اوپر کا، عوام ہوں یا ر حکمران۔ سب اسی افراط تفریط کا شکار ہیں۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم نے تو راہ اعتدال یا ر میانہ روی کی تاکید نفسِ عبادت کے معاملے میں بھی فرمادی۔ کچھ صحابہؓ نے تہیہ کیا کہ رات کو بالکل نہیں سویا کریں گے۔ ساری ساری رات عبادت کریں گے۔ سارا سال روزے رکھیں گے وغیرہ۔

حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلم کو علم ہُوا تو آپؐ نے منع فرمایا اور خود اپنی مثال بیان فرمائی کہ دیکھو میں سوتا بھی ہوں اور جاگتا بھی ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں۔ اس لئے تم بھی انتہا پسندی سے بچو۔ اور میانہ روی اختیار کرو۔ حتیٰ کہ ریاضت اور مجاہدہ کے شوقین جب ترکِ دنیا کی طرف مائل ہوتے دیکھے تو آپؐ نے صاف اعلان فرمادیا کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام۔

اللہ تعالےٰ ہمیں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بات سننے
آپ پر اعتماد کرنے اور آپکی سنت پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین!

مقامِ رسالت

۱۔ رسول کا تقرر اللہ خود کرتا ہے۔

۲۔ رسالت وہبی چیز ہے کسبی نہیں۔

۳۔ قدرت انکی تعلیم کا خود انتظام کرتی ہے۔

۴۔ اللہ خود پڑھا کر یاد کراتا ہے۔

۵۔ اللہ تعالےٰ اخلاقی تربیت خود کرتا ہے۔

۶۔ اللہ تعالےٰ خود حفاظت فرماتا ہے۔

۷۔ خالق ان کے عواطفِ قلبی کی نگرانی کرتا ہے۔

۸۔ ان کی ہر بات خواہشِ نفس سے پاک ہوتی ہے۔

۹۔ انہیں رائے کی عصمت حاصل ہوتی ہے۔

۱۰۔ وہ انسانیت کے لئے مجسم نمونۂ عمل ہوتے ہیں۔

۱۱۔ ان کے سامنے اونچی آواز سے بولنا اعمال کو غارت کردیتا ہے۔

۱۲۔ ان کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

۱۳۔ ان کی محبت اور اطاعت کے بغیر اللہ کی محبت کا دعویٰ کرنا باطل ہے۔ قابلِ تسلیم نہیں۔

(ترجمان السنۃ)

تابعین

اور ان کے علمی اور مذہبی کارنامے

شاہ معین الدین احمد ندوی

آپ دنیا کے کسی مذہب کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں آپ کو اس کے ابتدائی ابواب علمی نمونوں سے خالی نظر آئیں گے۔ تمام مذاہب عالم میں صرف اسلام کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے اپنے دورِ تاسیس ہی میں اپنے پیروؤں کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی تھی جو اسلامی تعلیمات کا مجسم پیکر تھی۔ جس کے آئینۂ عمل میں اس کے ایک ایک خدوخال نمایاں تھے۔ یہ جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی۔ جو آنحضرتؐ کے بعد تعلیماتِ اسلامی اور دینی علوم کی وارث ہوئی۔

پھر یہ سلسلہ صحابہؓ پر تمام نہیں ہوگیا۔ بلکہ اسلام کی سحر آفرین روحانیت کے اثر سے کئی پشتوں تک اسی زور وقوت کے ساتھ قائم رہا۔ جنہیں ہم اصطلاح میں تابعین اور تبع تابعین کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن نے برسوں پہلے اس مقدس طبقہ کا تعارف کروادیا تھا۔ کہ وہ مہاجرین و انصار کے نقش و قدم پر ہوں گے اور رضوانِ الٰہی کے طغرائے امتیاز سے سرفراز ہونگے۔

والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی اللہ عنهم ورضوا عنه واعد لهم جنات تجری تحتها الانهار۔

"اور مہاجرین و انصار میں جن لوگوں نے قبولِ اسلام میں سبقت کی اور جو لوگ خوبی کے ساتھ ان کے پیچھے چلے اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش ہیں۔ اللہ نے ان کیلئے باغ تیار کر رکھے ہیں۔ جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔"

احادیث میں اس سے زیادہ صریح الفاظ میں ان کو "خیر" کے لفظ سے یاد فرمایا گیا ہے۔

خير القرون قرنی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم۔

"زمانوں میں سب سے اچھا میرا زمانہ ہے پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔ پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہوں گے۔"

یعنی اسلام کے تین طبقات یا تین عہد زریں ہیں۔ جن میں مسلمانوں کی عملی قوتیں پورے شباب پر ہوں گی۔ ان میں ہمارا موضوعِ بحث "تابعین" کا طبقہ ہے۔ جس نے صحابہ کرامؓ سے عملی اور روحانی فیض حاصل کر کے اس کو سارے عالم میں پھیلایا۔

تابعی کی تعریف

صحابہؓ کی طرح تابعین کی تعریف میں علماؒ کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک تابعی وہ ہے جس نے کسی صحابی کی صحبت اٹھائی ہو۔ بعض صحبت اور ہم نشینی کو بھی ضروری نہیں سمجھتے بلکہ صرف صحابی کی رویت کو کافی سمجھتے ہیں۔ لیکن درحقیقت "تابعی" وہ ہے جو کسی صحابی کی صحبت اور اس کے کمالات سے فیض یاب ہوا ہو اور اسی میں کمی یا زیادتی اور زمانۂ نبوت سے قرب و بُعد کے اعتبار سے تابعین کے طبقات قائم کئے گئے ہیں۔

جماعت تابعین اور علما تابعین میں فرق

تابعین صحابہ کرامؓ کے دامنِ فیض کے تربیت یافتہ تھے۔ اس لئے علمی اور اخلاقی کمالات میں ان کا عکس و پرتو تھے۔ لیکن اس موقع پر ایک فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے وہ یہ کہ جماعت "تابعین" اور علما "تابعین" میں بڑا فرق ہے۔ شرفِ صحبت اور اس کے آثار کو چھوڑ کر مذہبی روح کے اعتبار سے تابعین اور صحابہ میں بہت کم فرق تھا۔ جو فرق تھا وہ بھی تابعیت کے نقص و کمال کے اعتبار سے تھا اور یہ فرق وہ ہے جس سے جماعتِ صحابہ بھی مستثنیٰ نہ تھی۔ مہاجرین وانصار اور فتح مکہ کے بعد مؤلفۃ القلوب صحابہ میں علانیہ فرق نظر آتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں دورِ تابعین میں عہدِ رسالت کے بُعد، دولت کی فراوانی، غیر اسلامی تمدن کی اشاعت اور غیر قوموں کے میل جول سے یہ دور بہت کچھ بدل گیا تھا۔ اور بیرونی اقوام کے اثرات سے عہدِ صحابہ کی سادگی ختم ہو گئی تھی۔ لیکن تابعین کی جماعت اس سے اثر پذیر نہ ہوئی۔ بلکہ اسلام کی امانتوں کو محفوظ رکھ کر اس کو ساری دنیا میں تقسیم کیا۔

جہاں تک خالص دینی اسلام کا تعلق ہے، عہدِ نبویؐ میں مکمل ہو چکا تھا۔ آنحضرتؐ نے اس کی ایک ایک تعلیم کو برت کر دکھا دیا تھا اور صحابہؓ نے اسے جان لیا تھا، پہچان لیا تھا اور عمل کر کے دکھا دیا تھا۔ اور الیوم اکملت لکم دینکم کی مہرِ تکمیل کے بعد اس میں کسی ترمیم و اضافہ کی گنجائش نہ تھی۔ لیکن اس کے جزئیات، تفصیلات اور متعلقات میں ترقی کی بڑی وسعت تھی جو تابعین کے ہاتھوں مکمل ہوئی۔ انہوں نے جزئیاتِ مسائل کا استقصا کیا، علومِ دینیہ کی بنیاد رکھی، نئے علوم پیدا کئے، اسلام کی اشاعت کی، مذہبی علوم کو پھیلایا اور اس قبیل کے بہت سے کام کئے۔ جو عہدِ صحابہ میں تشنۂ تکمیل رہ گئے تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ، دینی علوم کی خدمت اس کی حفاظت و اشاعت ہے۔ اس لئے سب سے

اول ہم اسی کو پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے بڑی جانکاہ مشقتیں اٹھاکر دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دانہ چن کر علم کا خرمن جمع کیا۔ اگر وہ اس راہ میں بڑی بڑی قربانیاں کرکے علم کو محفوظ نہ کرتے تو دینی علوم کا بڑا حصّہ برباد ہوجاتا۔ آج ہمارے پاس ان کا جو کچھ ذخیرہ ہے وہ سب تابعین ہی کی جانکاہیوں کے طفیل ہے۔ اس مختصر مضمون میں اس پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں۔ اس لئے صرف اجمال اور سرسری تبصرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

عہدِ تابعین میں حصولِ تعلیم کی دشواریاں

جب ہم اس عہد کے تعلیمی نظام اور حصولِ تعلیم کی دشواریوں پر نظر ڈالتے ہیں تو تابعین کی خدمات کی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس زمانہ میں آجکل کی طرح تعلیم و تعلم کا کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا۔ نہ یہ سہولتیں میسر تھیں اور نہ تعلیم کیلئے کوئی خاص مقام مختص تھا۔

مکّہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ وغیرہ علمی مرکز ضرور تھے لیکن ان میں سے کوئی مقام ایسا نہ تھا جو علم کے تحقیقی جویا کو دوسرے مقامات سے بالکل مستغنی کردیتا۔ بلکہ اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ دینی علوم کے سرچشمے ساری دنیائے اسلام میں پھیل گئے۔ اس لئے ایک شائقِ علم کو خراسان سے لیکر مصر و مغرب تک خاک چھانی پڑتی تھی۔ دنیائے اسلام میں کوئی مرکزی مقام ایسا نہ تھا جہاں صحابہ کی مسندِ علم وارشاد نہ بچھی ہو۔ مثلاً حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، سلمان فارسیؓ، ابومسعود انصاریؓ، براء بن عازبؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عمار بن یاسرؓ، خباب بن ارتؓ وغیرہ اکابر صحابہ زیادہ تر کوفہ میں مقیم تھے۔

عتبہ بن غزوانؓ، بریدہ بن حصیبؓ، ابو برزہ اسلمیؓ، عمران بن حصینؓ، انس بن مالکؓ، ثابت بن زیدؓ، ابوبکرہؓ، معقل بن یسارؓ وغیرہ کا مستقر بصرہ تھا۔

ابودرداء انصاریؓ، بلال حبشیؓ، امیر معاویہؓ وغیرہ صحابہ کی ایک معتدبہ تعداد شام میں تھی۔

عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ وغیرہ مصر میں تھے۔ ابن سعد نے ہر ہر ملک کے صحابہ کے علیحدہ علیحدہ طبقات لکھے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتوحہ ممالک میں کوئی ایسا ملک نہ تھا جہاں صحابہ کرامؓ کے قدم نہ پہنچے ہوں۔

تابعین کے عہد میں اس کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہوگیا تھا۔ صحابہ عموماً مرکزی مقامات پر رہتے تھے اور تابعین تو قریہ قریہ میں پھیل گئے تھے۔ ایسی حالت میں ایک طالب علم کو مشرق سے لیکر مغرب تک کا دورہ کرنا پڑتا تھا۔ لیکن یہ دشواریاں تابعین کے ذوقِ طلب میں حارج نہ ہوسکیں۔ اور انہوں نے دینی علوم کی تحصیل کیلئے ساری دنیا کی خاک چھان ڈالی۔

حصولِ تعلیم کی راہ میں تابعین کی مشقتیں ؎

مکحول دمشقی نے جو بڑے جلیل القدر تابعی ہیں۔ تحصیلِ علم کیلئے ساری دنیائے اسلام کا سفر کیا۔ سب سے پہلے انہوں نے مصر میں جوان کا ابتدائی مستقر تھا علم حاصل کیا جب یہاں کا سارا علم اپنے دامن میں سمیٹ چکے تو مدینہ گئے۔ یہاں سے لعل و گوہر لینے کے بعد عراق پہنچے۔ پھر شام کا سفر کیا۔ غرض انہوں نے دنیائے اسلام کا چپّہ چپّہ چھان مارا۔ ان کا خود بیان ہے کہ میں نے علم کی تلاش میں ساری دنیا کی خاک چھانی۔ علم کی تحصیل میں بڑی بڑی جانکاہ مشقتیں اٹھاتے تھے۔

امام شعبیؒ سے، جو بڑے جلیل القدر امام تھے۔ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ نے اتنا علم کہاں سے حاصل کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ "غم واندوہ کو بھلاکر، ملک ملک کی خاک چھان کر، گدھوں کی قوتِ برداشت اور کووں کی سحرخیزی پیدا کرکے۔"

پھر تحصیلِ علم کیلئے کسی عمر کی قید نہ تھی۔ بلکہ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک اس کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ صالح بن کیسان نے سن کہولت میں تحصیلِ علم کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس کے نامور غلام عکرمہ نے کامل ۴۰ سال طالب علمی کی۔ قتادہ، بچپن سے لے کر مرتے دم تک طالب علم رہے۔ نافع نے تیس برس حضرت عبداللہ بن عمر کی خدمت میں بسر کردئے۔ طلبِ علم کا ذوق ان کے رگ وریشہ میں ساری تھا۔

امام شعبی کا، جنہوں نے خود بڑی محنت سے تحصیلِ علم کی تھی۔ مسروق بن اجدع کے متعلق بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ علم کا طالب نہیں دیکھا۔ بحیر، خالد بن معدان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میں نے ان سے زیادہ علم سے چمٹنے والا نہیں دیکھا۔ امام ذہبی کثیر بن مرہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ امام، عالم اور بڑے طالب علم تھے۔ ابنِ شہاب زہری ہر وقت کتابوں کے ڈھیر میں گھرے رہتے تھے۔ ان کی بیوی تنگ آکر کہتی تھی کہ یہ کتابیں میرے لئے تین سوتوں کے جلادے سے زیادہ ہیں۔

ذوقِ علم کی وسعت و ہمہ گیری

تابعین کا یہ ذوق کسی ایک فن کے ساتھ مخصوص نہ تھا۔ بلکہ جملہ علوم کے ساتھ یکساں شغف تھا جس کا اندازہ ان کی جامعیت سے ہوتا ہے۔ ائمہ تابعین بیک وقت تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ جملہ علوم کے امام تھے۔ سعید بن جبیر، عبداللہ بن عباس کے حلقۂ درس میں شریک ہوتے تھے۔ جس میں قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، ادب وانشاء، شاعری اور جملہ فنون کا دریا بہتا تھا۔ اس حلقہ میں ہر علم وفن کے سائلین آتے تھے۔ ابن عباس انہیں جو جوابات دیتے تھے، ابن جبیر سب کو قلمبند کرلیتے تھے۔ بعض بعض دن سائلین کی اتنی کثرت ہوتی تھی کہ ابنِ جبیر کی بیاض پُر ہوجاتی تھی اور کپڑوں اور ہتھیلیوں پر لکھنے کی نوبت آجاتی تھی۔

ابنِ شہاب زہری کا ذوق اتنا ہمہ گیر تھا کہ

جو کچھ سنتے تھے سب لکھ لیتے تھے۔

ابوزناد کا بیان ہے کہ ہم لوگ صرف حلال و حرام کے مسائل لکھتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے۔ سب کچھ لکھ لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو جملہ فنون پر یکساں کمال حاصل تھا۔ جس فن پر وہ گفتگو کرتے تھے وہ ان کا خاص موضوع معلوم ہوتا ہے۔

تابعین کا علمی درجہ

اس ذوق و طلب نے تابعین کو جملہ فنون میں صاحبِ کمال بنا دیا تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض، مغازی، سیرت کوئی فن ایسا نہ تھا۔ جس میں بڑے بڑے ائمہ موجود نہ رہے ہوں۔

تفسیر میں سب سے زیادہ مجاہد بن جبیر کی شخصیت تھی۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس سے جو صحابہ کرام میں قرآن کے سب سے بڑے مفسر تھے تیس ۳۰ مرتبہ قرآن کا دورہ کیا تھا۔ اور اس محنت و تحقیق کے ساتھ کہ ہر آیت کے جملہ متعلقات اور مالہ اور ما علیہ کا پورا استقصا کرتے جاتے تھے۔

دوسرے ممتاز مفسر ابن عباس کے غلام عکرمہ تھے جن کی انہوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ تعلیم و تربیت کی تھی۔ خصوصاً تفسیر بڑی محنت سے پڑھائی تھی۔ تفسیر میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ عباس بن مصعب مروزی کا بیان ہے کہ ابن عباس کے تلامذہ میں عکرمہ تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام شعبی کہتے تھے کہ عکرمہ سے بڑا تفسیر کا جاننے والا کوئی عالم نہیں ہے۔ قتادہ جو خود بڑے مفسر تھے ان کے کمالِ علم کے معترف تھے۔ اس عہد کے بڑے بڑے فضلاء نے ان سے تفسیر حاصل کی۔ چنانچہ مجاہد اور ابن جبیر ان سے استفادہ کرتے تھے۔ تیسرے مفسر سعید بن جبیر تھے۔ یہ بھی عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود کے خرمنِ کمال کے خوشہ چین تھے۔ یہ تفسیر کا درس بھی دیتے تھے۔

چوتھے بزرگ جابر بن زید تھے۔ یہ بھی حضرت عبداللہ بن عباس کے تلمیذ رشید تھے۔ اور شاگرد کے متعلق استاد کی یہ رائے تھی کہ اگر ان کے ہم وطن (بصری) کتاب اللہ کے بارے میں جابر کا قول اختیار کریں تو قرآن میں ان کا علم وسیع ہو جائے۔

پانچویں عالم قرآن قتادہ بن دعامہ سدوسی تھے۔ تفسیر قرآن پر ان کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کوئی آیت ایسی نہ تھی جس کے متعلق ان کے کچھ نہ کچھ معلومات نہ رہے ہوں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ قتادہ تفسیر قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ قرآن کے سب سے بڑے جاننے والے تھے۔

چھٹے بزرگ حضرت حسن بصری تھے۔ انہوں نے بارہ سال کی عمر میں قرآن کی تعلیم حاصل کر لی تھی۔ اور اس محنت اور تلاش و تحقیق کے ساتھ تفسیر پڑھی تھی کہ جب تک ایک سورت کی تفسیر و تاویل اور شانِ نزول وغیرہ جملہ معلومات کا پورا احاطہ نہ کر لیتے اس وقت تک آگے نہ بڑھتے۔ صاحبِ درس بھی تھے

ان بزرگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے مفسرین تھے لیکن یہ لوگ امتیازی پایہ رکھتے تھے۔

تفسیر کی اشاعت، حفاظت اور تدوین

ان بزرگوں کے تفسیری کمال سے زیادہ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے تفسیر کی اشاعت اور حفاظت کی۔ ان میں سے ایک آدھ کے علاوہ باقی تمام صاحب درس تھے۔ ان کے حلقۂ درس سے سینکڑوں مفسرین پیدا ہوئے۔ اس سے بھی بڑی خدمت یہ ہے کہ ان میں سے بعض نے تفسیر قرآن پر مستقل کتابیں لکھیں۔ جن کا اگرچہ آج کہیں پتہ نہیں ہے لیکن کتابوں میں ان کا ذکر ملتا ہے۔

ابن ندیم نے مجاہد، حسن بصری، سعید بن جبیر امام باقر، عکرمہ اور حضرت علی کے ایک رفیق ابوحمزہ کی تفسیروں کا ذکر کیا ہے۔ گو آج یہ نا پید ہیں لیکن انہی بنیادوں پر تفسیر کی عمارت قائم ہوئی۔

حدیث

تفسیر سے زیادہ تابعین کو حدیث کے ساتھ ذوق بلکہ شغف و انہماک تھا۔ اس فن شریف کو انہوں نے جس درجہ کمال تک پہنچایا اس کی تفصیل کیلئے مستقل کتاب چاہیئے۔ تحصیل علوم کے سلسلہ میں اوپر تابعین کی جن مشقتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ زیادہ تر حدیث ہی کی طلب میں تھیں۔

—

حدیث کا ذوق اور اسکی طلب میں شغف وانہماک

سعید بن جبیر ایک ایک حدیث کی تلاش میں کئی کئی دن اور کئی کئی رات کا سفر کرتے تھے۔ ابوقلابہ جرمی محض ایک حدیث سننے کیلئے کئی کئی دن تک مدینہ میں مقیم رہتے تھے۔ ابن شہاب زہری احادیث کی تلاش میں مدینہ کی گلی گلی کا چکر لگاتے تھے۔ کمسن، مسن، پیر وجوان اور زن و مرد مدینہ کے ہر فرد سے استفادہ کرتے تھے مکحول نے ساری دنیائے اسلام چھان ماری۔ حدیث میں تابعین کی تلاش و جستجو کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک نہیں سینکڑوں تابعین ایسے ہیں جو دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں کے محدثین سے روایت کرتے ہیں۔

اخذ حدیث میں احتیاط

لیکن اس ذوق و شوق اور تلاش و جستجو میں آنحضرت صلعم کا یہ فرمان ہمیشہ پیش نظر رہتا تھا کہ "جو شخص عمداً میری طرف جھوٹ کی نسبت کرے گا اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے"۔ اس لئے وہ اخذ حدیث اور روایت حدیث دونوں میں بڑے محتاط تھے۔ اور بغیر پوری چھان بین کے حدیثیں قبول نہ کرتے تھے۔ عامر بن شراحیل نے یہ اصول بنا دیا تھا علم حدیث اسی شخص سے حاصل کرنا چاہیئے جس میں زہد و تقویٰ اور عقل و دانش دونوں اوصاف کا اجتماع ہے۔ ان میں سے محض ایک وصف رکھنے والا علم کی حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ بہت سے تابعین جب تک اصل راوی سے روایت نہ سن لیتے اس وقت تک

دوسرے کے بیان پر اعتماد نہ کرتے۔ ابوالعالیہ ریاحی کا بیان ہے کہ ہم اہل بصرہ، بصرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات سنتے تھے مگر اس وقت تک ان پر اعتماد نہ کرتے تھے۔ جب تک مدینہ خود جاکر ان کی زبان سے اس کی تصدیق نہ کر لیتے۔ محمد بن سیرین کا قول تھا کہ علم حدیث دین ہے۔ اس لئے اسے حاصل کرنے سے پہلے اس شخص کو خوب پرکھ لینا چاہیئے۔

حفظِ حدیث میں تابعین کا درجہ

ان احتیاطوں کا مقصد صرف احادیث کی صحت تھی ورنہ اس کے حصول اور حفظ کی راہ میں تابعین نے جو جو مشقتیں اٹھائیں ہیں اس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ انہوں نے اپنی ان تھک کوششوں اور جانکاہ محنتوں سے تمام دنیائے اسلام کی حدیثیں اپنے حافظہ میں محفوظ کر لیں۔ حسن بصری، ابن جبیر، ابن مسیب، سالم بن عبداللہ، طاؤس، عامر الشعبی، عبدالرحمٰن بن ابی لیلی، عروہ بن زبیر، عطا بن ابی رباح، عکرمہ، نافع علقمہ، قتادہ، مجاہد، محمد بن سیرین، محمد بن مسلم زہری محمد بن منکدر، اور مکحول شامی وغیرہ احادیث کے بحرِ بیکراں تھے۔ اس میں ان کے علم کی وسعت کا اندازہ اربابِ فن کی ان رائیوں سے ہو گا۔ حسن بصری کو علامہ ذہبی نے علم کا سمندر کہتے ہیں۔ سالم حضرت عبداللہ بن عمر کے جو صحابہ میں حدیث کے رکن اعظم تھے حلف الصدق تھے۔ علامہ نودی، ابن جبیر کو سرگروہ محدثین کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔

ابن مسیب اس پایہ کے محدث تھے کہ مکحول شامی جنہوں نے ساری دنیا کے محدثین سے استفادہ کیا تھا کہتے ہیں کہ میں نے ابن مسیب جیسا عالم نہیں پایا۔

امام زین العابدینؓ فرماتے ہیں کہ ابن مسیب گذشتہ آثار سے سب سے بڑے عالم تھے۔ طاؤس کا علم سارے اربابِ علم میں مسلّم تھا۔ امام شعبی نے حجاز، کوفہ، بصرہ تینوں مراکز احادیث کی حدیثیں اپنے دامن میں سمیٹ لی تھی۔ ان کی وسعتِ علم کا یہ حال تھا کہ کوئی حدیث ان کے حافظہ سے باہر نہ تھی۔ ان کا خود بیان تھا کہ "میں نے بیس سال کے عرصہ میں کوئی ایسی حدیث نہیں سنی جس سے میں بیان کرنے والے سے زیادہ واقف نہ رہا ہوں"۔ مکحول کہتے ہیں میں نے شعبی سے زیادہ سنت ماضیہ کا عالم نہیں دیکھا، عروہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھانجے تھے۔ حدیث میں حضرت عائشہؓ کا جو پایہ تھا وہ اربابِ علم سے مخفی نہیں ہے ان کا سارا ذخیرۂ حدیث عروہ نے اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا تھا۔ امام زہری انہیں حدیث کا بحرِ بیکراں کہتے تھے۔ عطاء کے حفظ کے ائمہ اہل بیت تک، حدیث جن کے گھر کی دولت تھی، قائل تھے۔ امام باقر لوگوں کو ان سے احادیث سننے کی ہدایت کرتے تھے۔ عکرمہ، حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس کے ساختہ پرداختہ تھے۔ اور ان کی تمام حدیثیں انہوں نے محفوظ کر لی تھیں۔ ابن عباس کی مرویات کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے۔ ان کا بڑا حصہ عکرمہ ہی سے مروی ہے۔ اس بے پایاں علم نے ان کو حدیث کا دریا بنا دیا۔

علقمہ دوسرے جلیل صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تربیت یافتہ تھے۔ اوران کی مرویات کا بڑا حصہ ان کے حافظہ میں محفوظ تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ خود فرماتے ہیں کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ سب علقمہ جانتے ہیں۔

قتادہ کو حافظ ذہبی، حافظ العلامہ لکھتے ہیں۔ ابن مسیب انہیں عراق کا سب سے بڑا محدث مانتے تھے۔ سفیان ثوری ان کو دنیا میں بے مثل سمجھتے تھے۔ محدث ابن حبان انہیں ان کے عہد کا سب سے بڑا حافظِ حدیث لکھتے ہیں۔ مجاہد کو امام نووی امام الحدیث کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے بزرگ ان کے حفظ پر رشک کرتے تھے اور فرماتے تھے کاش عکرمہ کا حفظ بھی تمہارے جیسا ہوتا۔

محمد بن سیرین کو امام ذہبی، امام نووی، حافظ ابن حجر تمام علمائے فن بالاتفاق امام حدیث کہتے ہیں۔ امام زہری کو تلاشِ حدیث میں جو شغف و انہماک تھا اس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ پھر ان کا حافظہ اس غضب کا تھا کہ ایک مرتبہ جو چیز سُن لیتے تھے، وہ ہمیشہ کے لئے نقش کالحجر ہوجاتی۔ اس ذوق اور حافظہ نے حجاز کے ثقات کا سارا علم ان کے سینہ میں محفوظ کر دیا تھا۔ بعض روایات کے مطابق ان کی مرویات کی تعداد ۲ ہزار تک پہنچتی ہے۔

محمد بن منکدر فنِ حدیث میں اپنے عہد کے امام تھے۔ مکحول کے ذوقِ علم اور اس کی تلاش وجستجو کا حال اوپر گذر چکا ہے۔ کہ انہوں نے دنیائے اسلام کا کوئی گوشہ باقی نہیں چھوڑا تھا۔ اور جو کچھ حاصل کیا تھا وہ سب ان کے حافظہ میں محفوظ تھا۔ جس طرح عکرمہ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تربیت یافتہ تھے اسی طرح نافع، ابن عمرؓ کے ساختہ پرداختہ تھے۔ انہوں نے بڑی توجہ سے ان کی تعلیم و تربیت کی تھی۔ اور اپنا سارا علم ان کے سینہ میں منتقل کر دیا تھا۔ چنانچہ ابن عمر کی مرویات کا بڑا حصّہ جن کا شمار ہزاروں تک پہنچا ہے ان کے سینہ میں محفوظ تھا۔ اور انہی سے مروی ہے جس کا ثبوت مؤطا امام مالک ہے۔ بیشتر مرویات مالک عن نافع عن ابن عمر پر مشتمل ہیں۔ حافظ ذہبی، نافع کو امام العلم لکھتے ہیں۔

روایت حدیث میں احتیاط

لیکن اس وسعتِ علم کے باوجود تابعین کرام اخذِ حدیث کی طرح روایت حدیث میں بھی بڑے محتاط تھے۔ روایت کی ذمہ داری، اخذِ حدیث کی ذمہ داری سے بھی بڑھ کر ہے۔ اس میں غلطی کا نتیجہ صرف ایک شخص کی ذات تک محدود رہتا ہے اور روایت میں غلطی اور بے احتیاطی کا نتیجہ عالمگیر ہوجاتا ہے۔ اس لئے بڑے بڑے ائمہ حدیث بیان کرنے میں بڑی ذمہ داری محسوس کرتے تھے۔ بلکہ گھبراتے تھے۔ محمد بن سیرین جب حدیث بیان کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز معاف کر رہے ہیں یا ان پر خوف طاری ہے۔ مسعر بن کدام جو بڑے محدث تھے۔ روایت حدیث کی ذمہ داری اور عظمت کو خیال کرکے فرماتے تھے کہ کاش حدیثیں میرے سر پر

شیشے کا بار ہوتیں اور گر کر چُور چُور ہو جاتیں یعنی میرے حافظہ سے محو ہو جاتیں۔ علقمہ کی علالت کے زمانہ میں ایک شخص نے خواہش کی آپ اس وقت تھوڑی دیر ہم کو سنت کی تعلیم دیتے۔ آپ نے فرمایا تم لوگ چاہتے ہو کہ میری پیٹھ روندی جائے۔ سلیمان بن طرخان تمیمی اتنے محتاط تھے کہ حدیث بیان کرتے وقت ان کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ ابراہیم نخعی روایت میں آنحضرتؐ کی طرف نسبت نہیں کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ کو رسول کریمؐ سے کوئی حدیث نہیں پہنچی ہے جسے آپ بیان کریں۔ جواب دیا پہنچی کیوں نہیں ہے۔ لیکن عمر، عبداللہ اور اسود سے روایت کرنا میرے لئے آسان ہے۔ امام شعبی اشاعتِ حدیث کے خیال سے ایک زمانہ میں بے تکلف حدیثیں بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن پھر زمانہ کا رنگ دیکھ کر انہیں کہنا پڑا کہ گذشتہ صلحا کثرت روایت کو بُرا سمجھتے تھے۔ جو حقیقت مجھ پر بعد کو کھلی اگر پہلے منکشف ہو جاتی تو میں صرف محدثین کی متفقہ حدیثیں بیان کرتا۔ عبداللہ بن عون روایت کرنے سے اتنا گھبراتے تھے کہ اس کے خوف سے گھر سے نکلنا بند کر دیا تھا۔ اسی احتیاط کی بنا پر بہت سے تابعین احادیث کو بالفاظہا روایت کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ بعض ردو بدل کے خیال سے حدیثوں کو قلمبند کر لیتے تھے۔ بعض کا عمل اس کے خلاف تھا کہ غلط روایت قلمبند ہو جانے سے اس کی غلطی اور زیادہ متعدی اور پائدار ہو جاتی ہے۔ غرض تابعین نے حدیث میں احتیاط اور اسکی صحت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔

اشاعت وحفاظتِ حدیث

لیکن ان احتیاطوں کے ساتھ حدیثوں کی اشاعت بھی ایک ضروری فرض تھا۔ ورنہ مسلمان بہت سے مسائل اور دینی احکام سے بے خبر رہ جاتے اور احادیثِ رسولؐ کا بڑا حصّہ محض سینوں میں محفوظ رہ کر برباد ہو جاتا۔ تابعین کا ایک مہتم بالشان کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے احادیث کی صحت کے پورے اہتمام کے ساتھ ان کو ساری دنیائے اسلام میں پھیلایا۔

سعید بن جبیر کا قول ہے کہ مجھے تم لوگوں کو حدیثیں سنانا اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند ہے کہ انہیں اپنے ساتھ قبر میں لے جاؤں۔

کُتبِ حوالہ :-

تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، مستدرک حاکم، ابن سعد، ابن خلکان، شذرات الذہب، ابن ندیم، مسند دارمی۔

(بر شکریہ ماہنامہ "معارف")

Shakeer Abdarrahman
P.O. Box 3375
Jamaica, N.Y. 11431
12/12/83

All Praise is due to Allah who is one and has no partners. He has honoured us with right guidance by way of his Din. We glorify Him, we praise him and we tremble before his mighty throne. May he cause us to imitate our righteous predecessors and remain humble in his sight.

Dear Shaikh and Wali of Allah:

As Salamu alaikum wa Rahmat-tullah and upon those who gather in your presence.

I thank you for answering my first letter by way of Matloob Hussain (May Allah reward him for his assistance on my behalf). Yes I do look forward to meeting you at the annual convention if it is Allah's will. However I would like to preface this by saying I know my worth as a person and feel unworthy. When the letter mentioned that the spiritual oath of allegiance at the Holy, praying prophet's (SAS) own hands is given to those found suitable, I automatically felt sad as I know I could never be a candidate. I even thought I shouldn't attempt to come. However after reconsidering I thought just being around people who were suitable would in itself be a great reward. Therefore I would like to come acknowledging myself as an intruder who attends only due to Allah's grace.

In regards to some previous experiences of mine I hereby submit them to you for your evaluation. I would like to begin by giving a small biography then relate some experiences which I have understood and interpreted and others which I don't understand. I recall myself as a child of 8 or 9 years of age walking by myself in the street when I passed a woman laughing and saying to a man "Everybody talking about heaven is not going there". I was frightened by this and asked myself how would one get there. After about a week or two I finally asked my mother was this a true statement. She replied that it was. I thentold her but I want to go to heaven how could I get there. She responded that I had to be good. This answer made me happy and I said this is what I would be. As I grew older I used to look at the large buildings, at the sky and be dazzled and confused. I'd ask myself where did all this come from? I know man built the buildings but how did everything start in the beginning. I would become sad because I didn't know the answer. I would then force myself not to think about this as I thought I would never know the answer.

One night as a young man I was laying down on my bed looking out my window. I told myself as I wasn't doing anything now why don't I pray? Then I realized that although I wanted to pray I didn't even know how. So I said Oh Allah (at that time I said God) I know you're out there and I know I should be praying to you but I just don't know how. Please forgive me and have mercy. I then began searching for a religion that would answer this need which was contained within me. I had rejected christianity as a farst having no value. One day I went to a park and I stood in front of a man who upon picking up his infant baby began chanting "Al Hamdullilah i Rabbil alameen". I listened and said to myself he's praying. I went home saying Al Hamdullilah over and over even though I didn't know the meaning of what I was saying. I would also raise up my hands and look up toward heaven. After hearing this from me a number of times my brothers wife who was born a sunni muslim but didn't practice at all, approached me and said "You want to know about Islam, here read this and went into another room. She had given me a book on Islam. I opened it and the page had Al Fatihah in English. At that time I sensed something appear to enter my room as if from the window. I looked but saw nothing. I began reading al Fatihah and was overwhelmed. I felt a pressure on my knees and heard a voice say. "This is a prayer, get on your knees". I looked around

but saw no one. I was afraid to get on my knees as I thought someone from the other room would enter and start laughing at me. I read it once, then again marveling when it said the Merciful One, the Compassionate One, as this had seen what I had requested. After the pressure on my knees left I jumped up ran to tell my mother shouting " Read this, read this". She did so but was unaffected. I stood screaming at her saying she didn't read it because if she did something would happen. My brothers wife came out of the other room and said "Don't scream at your mother. Allah is calling you". I therefore sat down and began reading the other pages of the book. It was speaking about the prophet Muhammad (SAS) whom I had never read about before. I read the chapter about him and said I believe this. I then read about Jesus and his proper relationship to Allah as a prophet and said I believe this too. The next page had the sura 59:22-24 saying "He is Allah with whom there is no other God. He is the Merciful, the Compassionate. He is Allah - He is Allah. Glorified be Allah. I felt the name being imprinted upon my soul deeper and deeper every time it was mentioned. I read the three ayats through and jumped up and went to my brother and his wife and said God was Allah there was no god but He being firmly convinced of the truth of this statement. After this I referred to god as Allah in acknowledgement of what I'd read. One day walking throught the street a person came up to me and asked was I interested in Islam. I said yes. He gave me some information and directed me to a mosque where I went right then and heard a lecture. I agreed with the speaker but said to myself I will go out and study all religions to see if there is anything better than this before I take my shahadah. I went to the library and saw that all other religions only pointed to Islam. I hadn't yet taken my shahadah but felt I was muslim. I began fasting even though it wasn't ramadhan and speaking of Allah all the time. One day while fasting and not knowing the rules of Halal meat I began to break my fast but first asked my mother was there any pork in the meat she had bought called liverwurst. She assurred me that there wasn't any pork in the meat. I asked her a second and a third time because I told her when I had went to the mosque about two weeks previously the Imam said that the prophet (SAS) used to ask people three times would they accept Islam. She knew I was seriouly considering become muslim and I wanted to do like the prophet (SAS) did. She assurred me twice and then the third time that the meat had no pork in it. Her final statement being you believe in Allah right? I said yes. She continued if you believe in Allah and the meat has pork in it then he would make you vomit it up. I told her if I believe in Allah he would show me the meat had pork in it before I ate it. I opened up my loaf of bread which I had bought and saw that it was all green and white. My mother looked and said what's wrong with your bread? I said I don't know but I can't eat it like this. I threw it in the garbage and it crumpled into dust. This amazed me as it had never happened to me before. Then I sat down and picked up a piece of meat to eat it by itself as I had no bread. I started to put one slice in my mouth and I saw the word P-O-R-K written in red on the meat. I searched throught the other pieces to see if anything was written on them. Only the piece which I had picked up had pork written on it. I showed this to my mother who then apologized profusely as the word confirmed what the meat contained. I told her don't apologize the important thing was that I said if I believed in Allah he would show me the meat had pork in it before I ate it. You saw what happened to my bread and the writing on the meat. I saw this as a clear sign from Allah, but my mother was unable to react like me. Things of this nature kept happening until I knew I had to take my shahadah. I went to the mosque and submitted. After this things continued to happen and I began having dreams which came true exactly how I dreamed them. If I petitioned Allah or asked about something he would answer me. I could relate a number of these things but for brevety sakes I will only tell a few. After a couple of years I began fasting every day doing this for years and sometimes praying all night long. Once I was doing a new zikr which I had read about in a sufi book about imprinting the name Allah on a part of the body through your imagination, after doing this and falling asleep I felt as if two tons of pressure was squeezing my body. ... the zikr again at a later date for a whole night through, then a second night and on the

third I did the zikr and fell asleep. While sleeping the name of Allah lighted up inside my head brightly and dazzling. I prepared to prostrate myself when I heard a Voice from my right saying, come here-come here. I couldn't see anything but I said to the voice no I want to stay here and worship. I therefore began to complete my prostration and woke up. I asked myself who was that who tried to interrupt my worship. I then said to myself it was Satan the evil and accursed devil. The next day I began doing exercises for my back in order that it be strong to sit up praying all night, every night. Some way I pulled a tissue or muscle on my right side which bothers me to this day. Even though this happened many years ago. I thought then that Satan was responsible because I didn't want to go to him. I picked up one of the many books which I had and the page that fell open said " your illness was decreed in pre-eternity I then felt good because I knew Allah was aware of this and maybe he had let Satan do it to test me. On a number of occassions I had opened up the Quran or any book and whatever question I had on my mine at the time would be answered on the first page I opened up.

The presshing and smouldering feelings and experiences of not being able to breathe would happen to me two or three times every year. I thought it was the jinn bothering me because I liked to worship Allah. It was only after readin your book did I realized it fitted exactly the description of what you said about divine lights flooding someone and was simular to when Jibraeel hugged the prophet (SAS).

One night I dreamed our house was on fire and afterwards told my father. About three weeks later the house caught afire and burned liked I had seen. However the room where I prayed, slept, kept my Quran and sufic books was not burnt at all much to the amazement of everyone. The house was burnt so bad it was six months before we were able to move back into it. These experiences I basically understand however I would like to relate two which I don't I had dreamed two or three times that I was in a circle of muslims all of us dressed in white and standing up. I was in the middle and with my will power raised myself up into the air until I was a bodies length above everyone. They looked up at me and I said to them all of these things are easy if you have faith. I then woke up puzzled why I dreamed something like this. I believe maybe this was a trick of my ego to make me think highly of myself. What do you say about this.

Another dream was I saw myself chasing a man who appeared to be an Arab. He jumped over a high building with pointed edges on top. I began to jump it also but he then appeared at the doorway and called the adhan more beautiful than I have ever heard in my life. I looked to my right and I saw a great number of people prostrating as if they were before Allah's throne. I stood crying and saying only Allah, Allah as I couldn't say anything else. I awoke still crying and saying Allah. Allah knows best but I think this dream took place in the last ten days of one Ramadhan. As for one experience which took place with my eyes wide open. One day I was sitting alone in my living room and a vision appeared before my eyes. I saw myself as a little baby drinking milk at my mother's breast. I looked around and saw my father and a man who I know as an adult but did not know as a baby. He is observing my mother feed me. I hear myself thinking and I say what is he doing here and wonder why is he watching. I then say to myself I'm not going to ever let my mother breast feed me again. After this vision went away I was perplexed. I went to my mother after thinking about it and asked her how old was I when [redacted] I stopped being breast fed? She told me for some strange reason one day I just stopped and wouldn't let her do it. She took me to the doctor who said nothing was wrong with me but if I wouldn't take her milk then feed me formula milk. I again asked her how old was I, she told me I was two months old when I refused suck., never to let her breast feed me again. I explained to her that I stopped because I didn't want her exposing her breast in front of strange people while feeding me. I had no knowledge of this until Allah showed me the vision as an adult man.

would like to close by relating one experience which led me to go to Morocco and live there about two years only recently returning to the United States. One night I had said to Allah I had never seen a Wali and didn't have a Shaikh that night I saw in a dream a man coming toward me and felt spiritual emanations coming from him. I started crying as I knew that this man was a Wali and Allah loved him. After I awoke I asked myself who was he since I had never seen him before. Later Allah showed me his name and that he lived in Fes Morocco. I went to Fes and met him the first day I arrived. He was of the Daqawwi order. He referred me to the head Shaikh in Meknes. When I went to the door of their headquarters it was locked and I was unable to enter. I returned to my room depressed and informed Allah that I was ready to go off into the mountains and die. Then I heard a voice say to me. "If you were destined to meet the Shaikh you would have met him". This I heard over and over for about an hour until I said if I was destined to meet him I would have met him but what am I going to do now. Then I heard the voice say "Study". I went to the ministry of education and received permission to study in Fes even though I knew hardly any arabic. But whenever I tried to go see the Shaikh. Allah would prevent it. It finally dawned on me that although Allah let me see a wali of their order, I was not destined to meet their Shaikh or be a Daqawwi. Sofinally I left and returned to America by Allah's decree. I still loved sufism but thought I would never be in any order because Allah didn't want it.About two or three months ago I asked Allah to explain to me the offices of the aulia as I had disagreed with some statements made by some shaikhs. Shortly after a friend gave me your book which explained what I had asked for in a clear, concise manner and which I could agree totally. This led me to writing you and I can only say. Praise be to Allah who has manifested knowledge to whom he pleases. Oh Shaikh may your striving be acceptable to Allah. May you continue on the rightly guided path. May Allah increase you in faith and knowledge even better than this. Glory be to our creator who has not forsaken nor neglected us. He is our Lord to whom we love and adore. May he write us down as witnesses and raise us up with the pious. I have related to you some of my experiences in truth. there have been more which I can relate at another time. I realize that they do not compare with the members of your order but it does show Allah has been kind to me, and this is my only claim. I look forward to your evaluation

The Slave
Shakeer Abdarrahman

اس خط کا اردو ترجمہ
صفحہ نمبر ۱۴ میں ملاحظہ
فرماویں

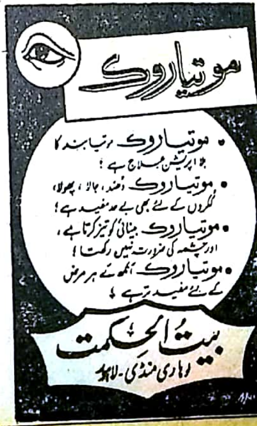

امریکہ سے ایک خط

(ترجمہ)

تمام تعریفیں اللہ وحدہٗ لاشریک کیلئے ہیں جس نے اپنی مہربانی سے دین کی بدولت ہمیں صراطِ مستقیم دکھائی۔ ہم اس کی حمد و ثنا کرتے ہیں اور اس کے عرشِ عظیم کے سامنے اس کی ہیبت سے لرزاں ہیں۔ اللہ ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پیارے شیخ اور اللہ کے ولی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ، اور آپ کے ساتھیوں پر بھی اللہ کی رحمت۔

مطلوب حسین صاحب (اللہ ان کو میری مدد کرنے پر اجرِ عظیم عطا فرمائے) کے ذریعہ میرے پہلے خط کا جواب دینے پر شکریہ۔ انشاءاللہ میں سالانہ اجتماع کے موقع پر آپ سے ملاقات کا متمنی ہوں۔ لیکن میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا۔ نیز اس بات نے مجھے افسردہ کردیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس پر روحانی بیعت کیلئے استعداد شرط ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس کا کبھی اہل نہیں ہوسکتا۔ میرے ذہن میں یہ خیال بھی ابھرا کہ مجھے آپ کے پاس بھی نہیں آنا چاہیئے۔ پھر سوچا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ رہنا بھی بہت بڑی سعادت ہے جو اس کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اسی لئے میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ احساسِ بے جا مداخلت کے ساتھ محض اللہ کے کرم سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔

میں چند گزشتہ مشاہدات آپ کے تجزیہ کے لئے پیش کرتا ہوں۔ اپنی مختصر سوانح حیات سے ابتدا کر کے چند مشاہدات پیش کروں گا۔ جن میں کچھ تو میری سمجھ میں آ گئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جنہیں میں نہیں سمجھ سکا۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں آٹھ یا نو برس کی عمر میں ایک دن اکیلا گلی میں جا رہا تھا۔ جب میں نے ایک عورت کو ایک مرد سے (ہنستے ہوئے) کہتے سنا "ہر کوئی جو جنت کی بات کرتا ہے وہاں جا نہ سکے گا"۔ میں یہ سن کر خوفزدہ ہو گیا اور اپنے آپ سے کہا وہاں جنت میں کیسے جایا جا سکتا ہے۔ کوئی دو ہفتہ بعد میں نے اپنی ماں سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ بات درست ہے۔ میری ماں نے اس کی تصدیق کی۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ میں تو جنت میں جانا چاہتا ہوں اس کا کیا طریقہ ہے؟ اس نے کہا اس کے لئے تمہیں نیک بننا پڑے گا۔ اس جواب سے میں خوش ہو گیا۔ اور ارادہ کر لیا کہ میں ایسا ہی بنوں گا۔

جب میں ذرا بڑا ہوا تو بلند و بالا عمارتوں اور آسمان کو دیکھتا تو متحیر اور پریشان ہو جاتا۔ میں اپنے آپ سے پوچھتا کہ سب کچھ کیسے بنا؟ مجھے پتہ تھا کہ عمارات انسان بناتے ہیں لیکن حیرانی یہ تھی کہ ان سب چیزوں کی ابتدا کیسے ہوئی؟ چونکہ اس کا جواب مجھے نہ مل پاتا اس لئے میں افسردہ ہو جاتا۔ پھر میں اپنے آپ کو اس موضوع پر نہ سوچنے پر مجبور کرتا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ مجھے اس کا جواب نہیں ملے گا۔

جب میں جوان ہوا ایک شب اپنے بستر پر لیٹا ہوا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا تو مجھے خیال آیا کہ بیکار لیٹے رہنے سے بہتر ہے کہ عبادت کیوں نہ کی جائے۔

پھر مجھے احساس ہوا کہ میں عبادت تو کرنا چاہتا ہوں لیکن یہ نہیں جانتا کہ کیسے؟

پس میں نے کہا" اے اللہ!" (اس وقت میں نے "GOD" کا لفظ استعمال کیا تھا) میں جانتا ہوں کہ تو موجود ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تیری عبادت کرنی چاہیئے لیکن میں نہیں جانتا کہ تیری عبادت کیسے کروں؟

اے اللہ! مجھے معاف کر دے اور مجھ پر مہربانی فرما۔

پھر میں نے اس مذہب کی تلاش شروع کر دی جو میری تشفی کر سکے۔ میں عیسائیت کو ایک باطل مذہب سمجھتے ہوئے پہلے ہی رد کر چکا تھا۔

میں ایک دن پارک میں گیا اور ایک آدمی کو اپنے کمسن بچے کو اٹھائے ہوئے "الحمدللہ رب العالمین" کہتے ہوئے سنا۔ سنتے ہی سوچا کہ یہ آدمی دعا مانگ رہا ہے میں گھر کی طرف چلا اور میری زبان پر بار بار الحمدللہ کا ورد تھا۔ حالانکہ میں اس کے معانی بھی نہیں جانتا تھا۔ میں اپنے ہاتھ بھی اوپر اٹھاتا اور آسمان کی طرف دیکھتا۔ میرے بار بار یہ الفاظ دہرانے پر میری بھابھی جو ایک سنی مسلم خاندان میں پیدا ہوئی لیکن عملاً مسلمان نہ تھی۔ میرے پاس آئی اور پوچھا کیا تم اسلام کے متعلق جاننا چاہتے ہو۔ اس نے مجھے ایک کتاب دی اور کہا اسے پڑھو! اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ میں نے اسے کھولا تو پہلے ہی صفحہ پر سورۃ فاتحہ انگریزی میں لکھی ہوئی تھی۔ اس وقت مجھے

احساس ہُوا کہ کھڑکی کے راستے کوئی چیز میرے کمرے میں داخل ہوئی ہے۔ میں نے دیکھا لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے سورۃ الفاتحہ پڑھنا شروع کی تو اس سے بے حد متاثر ہُوا۔ میں نے اپنے گھٹنوں پر بوجھ محسوس کیا اور ایک آواز یہ کہتے ہوئے سنی۔ " یہ ایک دعا ہے گھٹنوں کے بل بیٹھ جاؤ۔" میں نے اردگرد دیکھا۔ لیکن کچھ نظر نہ آیا۔ میں گھٹنوں کے بل بیٹھنے سے گھبرا رہا تھا۔ مجھے یہ خیال آیا کہ دوسرے کمرے سے کوئی آکر مجھے دیکھے گا تو میرا مذاق اڑائے گا۔ میں نے ایک دفعہ پڑھا تو پھر دوسری مرتبہ، تو " مہربان اور رحم کرنے والے" الفاظ نے مجھے بے حد متأثر کیا۔ اور ایسے محسوس کیا کہ مجھے اسی کی تلاش تھی۔ جب میرے گھٹنوں پر بوجھ کم ہُوا تو میں بھاگ کر اپنی ماں کے پاس گیا اور اسے کہا " اسے پڑھو "۔ اس نے پڑھا۔ لیکن اس پر کوئی کیفیت مرتب نہ ہوئی۔ میں نے چلا کر کہا کہ تم نے اسے پڑھا ہی نہیں۔ اگر پڑھا ہوتا تو ضرور اس کا اثر ہوتا۔ میری بھابی دوسرے کمرے سے آئی اور کہا " اپنی ماں پر مت چلاؤ۔ اللہ تمہیں بُلا رہا ہے "۔ اس کے بعد میں بیٹھ گیا اور دوسرے صفحات پڑھنے شروع کئے۔ ان میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق لکھا تھا۔ جن کے بارہ میں اس سے پہلے میں نے کبھی کچھ نہ پڑھا تھا۔ میں نے ان کے متعلق باب پڑھا اور کہا " میں اس کو مانتا ہوں "۔ اس کے بعد میں نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق، اور اللہ کے ساتھ نبی کی حیثیت سے ان کا صحیح مقام پڑھا تو میں نے کہا " میرا اس پر بھی یقین ہے "۔

اگلے صفحات پر آیات ۵۹ اور ۲۴ ـــ ۲۲ تھیں کہ " اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ رحم کرنے والا مہربان ہے، وہ اللہ ہے جو عالیشان ہے"۔ جوں جوں میں یہ نام لیتا میں نے خیال کیا میرے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو رہا ہے۔ میں نے تینوں آیات کو غور سے پڑھا اور بھاگ کر اپنے بھائی اور بھابی کے پاس گیا اور کہا کہ اللہ اللہ ہے اس کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ اور اس سچائی پر میرا یقین پختہ ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے " GOD " کی بجائے " اللہ " کہنا شروع کر دیا۔ کیونکہ یہ پڑھنے سے مجھ پر عیاں ہو گئی تھی۔

ایک دن میں گلی میں جا رہا تھا۔ ایک شخص میرے پاس آیا اور پوچھنے لگا کیا آپ کو اسلام میں دلچسپی ہے؟ میں نے ہاں میں جواب دیا۔ اس نے مجھے کچھ باتیں بتائیں اور ایک مسجد میں جانے کیلئے کہا۔ میں اسی وقت مسجد میں گیا اور وہاں ایک درس سنا۔ مجھے مقرر کی باتوں سے اتفاق تھا۔ لیکن میں نے سوچا کہ مجھے تمام مذاہب کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور قبولیتِ اسلام سے پہلے مجھے تسلّی کر لینی چاہیئے کہ اس سے بہتر کوئی اور مذہب تو نہیں۔ میں لائبریری میں گیا۔ تو مطالعہ سے معلوم ہُوا کہ تمام مذاہب اسلام کی طرف ہی نشاندہی کرتے ہیں۔ میں نے ابھی تک " کلمہ " نہیں پڑھا تھا۔ لیکن مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ میں مسلمان ہوں۔ میں نے روزے رکھنے شروع کر دئے حالانکہ یہ رمضان کا مہینہ نہیں تھا۔ اور " اللہ " کا ورد ہر وقت شروع

کر دیا۔ ایک دن میں روزے سے تھا۔ مجھے حلال و حرام کی تمیز ابھی نہیں تھی۔ میں نے روزہ کھولنے سے پہلے اپنی ماں سے پوچھا کہ بازار سے جو گوشت وہ لائی ہے وہ سؤر کا گوشت تو نہیں ہے۔ اس نے مجھے یقین دلایا کہ اس میں سؤر کا گوشت شامل نہیں ہے۔ میں نے اس سے دوسری اور تیسری مرتبہ پوچھا اس کی وجہ میں نے اس کو یہ بتائی کہ جب میں دو ہفتے پہلے مسجد میں گیا تو امام کو کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو تین مرتبہ پوچھتے کہ کیا انہیں اسلام قبول ہے وہ جانتی تھی کہ میں خلوص کے ساتھ مسلمان بننا چاہتا ہوں اور میں ہر کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے تین مرتبہ مجھے یقین دلایا کہ اس گوشت میں سؤر کا گوشت شامل نہیں۔ اس نے آخر کار مجھ سے پوچھا کہ کیا تم اللہ پر کامل یقین رکھتے ہو، میں نے جواب دیا" ہاں" رکھتا ہوں۔ اس نے کہا اگر تمہارا ایمان اللہ پر کامل ہے تو یہ گوشت کھانے سے تمہیں قے آجانی چاہیئے۔ میں نے کہا اگر میرا اللہ پر یقین پختہ ہے تو وہ مجھے کھانے سے پہلے دکھا دے گا کہ گوشت میں سؤر ہے یا نہیں۔ میں نے اپنی روٹی کا ٹکڑا جو بازار سے خریدا تھا کھولا اور دیکھا کہ وہ سبز اور سفید ہو گئی ہے۔ میری ماں نے دیکھا اور پوچھا کہ تمہاری روٹی کو کیا ہو گیا ہے۔ میں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ لیکن میں اس کو اس حالت میں سمجھا نہیں سکتا۔ میں نے اس کو کوڑے میں پھینک دیا۔ تو یہ خاک میں تبدیل ہو گئی۔ میں بہت حیران ہوا۔

کیونکہ اس طرح کا واقعہ کبھی پیش نہیں آیا تھا۔ بہرحال میں بیٹھ گیا۔ اور گوشت کا ٹکڑا کھانے کیلئے اٹھایا۔ کیونکہ اس کے ساتھ کھانے کیلئے روٹی تو میرے پاس تھی نہیں۔ جوں ہی میں اس کو کھانے کیلئے منہ میں ڈالنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ اس پر سرخ رنگ سے P-O-R-K (سؤر) لکھا ہوا ہے۔ میں نے دوسرے گوشت کے ٹکڑوں کو ٹٹولنا شروع کر دیا۔ کہ دیکھوں ان پر بھی کچھ لکھا ہوا ہے یا نہیں۔ صرف میرے ہاتھ والے ٹکڑے پر سؤر کا لفظ لکھا ہوا تھا۔ میں نے یہ اپنی ماں کو دکھایا اور اس نے بے حد معذرت کی کہ واقعی اس لفظ سے ظاہر ہو گیا ہے کہ گوشت میں سؤر کا گوشت شامل ہے۔ میں نے کہا معذرت کی ضرورت نہیں۔ خیال کرنے کی بات یہ ہے کہ میں نے کیا کہا تھا کہ اگر میرا یقین اللہ پر پختہ ہے تو وہ مجھے کھانے سے پہلے دکھا دے گا کہ گوشت میں سؤر کا گوشت شامل ہے۔ تم نے دیکھا کہ میری روٹی کے ساتھ کیا ہوا اور گوشت کے ٹکڑے پر بھی تم نے تحریر پڑھ لی۔ میں نے اب کھلم کھلا اللہ تعالےٰ کی طرف سے نشانی دیکھی۔ لیکن میری ماں کے تاثرات میری طرح نہیں تھے۔ اس طرح کے کئی واقعات پیش آئے حتیٰ کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب" مجھے کلمہ پڑھنا ہی ہو گا"۔ میں مسجد میں گیا اور مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد کافی واقعات رونما ہوئے اور مجھے سچے خوابیں آنی شروع ہو گئیں۔ اگر میں اللہ سے کچھ مانگتا یا دعا کرتا تو مجھے میری دعاؤں کا جواب ملتا۔ میں اس طرح کے بہت سے واقعات لکھ سکتا ہوں

لیکن اختصار کے لئے چند ایک پر اکتفا کرتا ہوں۔

چند سال کے بعد میں نے متواتر روزے رکھنے شروع کر دئے اور متواتر کئی سال تک میرا یہی عمل رہا اور بعض اوقات ساری ساری رات عبادت میں گذر جاتی۔

ایک دن میں ایک نیا طریقۂ ذکر جو میں نے ایک صوفی کی کتاب میں پڑھا تھا۔ یعنی لفظ "اللہ" کا تخیل (تصور) جسم کے کسی حصہ پر کر لیں، کر رہا تھا۔ اس ذکر کے بعد میں سو گیا۔ تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرا جسم دو ٹن وزن کے نیچے دب گیا ہے۔ میں نے یہی ذکر ایک بار پھر ساری رات کیا، پھر دوسری اور پھر تیسری رات ذکر کے بعد سو گیا۔ سوتے ہوئے اللہ کے نام کی تجلیات سے میرا ذہن منور ہو گیا۔ میں سجدہ کرنا چاہتا تھا کہ میرے دائیں طرف سے آواز آئی "ادھر آؤ، ادھر آؤ"۔ میں کچھ بھی نہ دیکھ سکا۔ لیکن میں نے آواز کے جواب میں کہا کہ نہیں میں یہیں رہ کر عبادت کرنا چاہتا ہوں۔ میں اپنا سجدہ مکمل کرنا چاہتا تھا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنے آپ سے پوچھا وہ کون تھا جو میری عبادت میں مخل ہوا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ یہ شیطان مردود تھا۔ اگلے دن میں نے کمر کی ورزش شروع کر دی تاکہ میں ہر رات کو ساری رات بیٹھ کر عبادت کرنے کے قابل ہو جاؤں۔ کسی طرح میری دائیں جانب کا پٹھہ کھنچ گیا ہے۔ جو آج تک میرے لئے باعثِ تکلیف ہے۔ حالانکہ یہ کئی سال پہلے ہوا تھا۔ پھر مجھے خیال ہوا کہ اس کا ذمہ دار شیطان ہے کیونکہ میں نے اس کا کہا نہیں مانا تھا میں نے اپنی بہت سی کتابوں سے ایک کتاب اٹھائی اور جو صفحہ سامنے آیا اس میں لکھا ہوا تھا "تمہاری بیماری تمہارے مقدر میں لکھی ہوئی تھی"۔

اس سے مجھے تقویت ملی کہ اللہ تعالے کو میری حالت کی خبر ہے اور ممکن ہے اللہؐ نے میرے پرکھنے کیلئے شیطان سے یہ حرکت کروائی ہو۔ بہت دفعہ ایسے ہوا کہ قرآن مجید یا کسی اور کتاب کو جب کھولتا تو میرے ذہن میں جو سوال ہوتا وہ مجھے اس کو کھولنے پر پہلے صفحہ پر مل جاتا۔

سال میں دو تین دفعہ میرے ساتھ یہ ہوتا کہ میں شدید دباؤ میں ہوں اور میرا سانس بند ہونے کو ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ کسی جن وغیرہ کی شرارت ہے جو مجھے اللہ کی عبادت سے روکنا چاہتا ہے۔ یہ عقدہ اس وقت کھلا جب پہلی مرتبہ آپ کی کتاب پڑھی کہ جس میں آپ نے تجلیات کا ذکر کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ جس میں جبریلؑ نے آپ کو گلے لگا کر بھینچا تھا کی نشاندہی کی ہے۔

ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ہمارا گھر جل رہا ہے۔ میں نے اس کا ذکر اپنے والد سے بھی کیا۔ تقریباً تین ہفتے بعد گھر کو آگ لگ گئی۔ اور اس طرح جلا کہ جس طرح میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ لیکن سب کو حیرت اس بات پر تھی کہ جس کمرہ میں میں سوتا تھا اور عبادت کرتا تھا اور جہاں قرآن پاک اور تصوف کی کتابیں رکھی تھیں آگ سے بالکل محفوظ رہا۔ گھر کا بڑی

طرح چلا کہ ہمیں اس میں دوبارہ آنے میں چھ ماہ لگ گئے۔ یہ مشاہدات بنیادی طور پر میری سمجھ میں آگئے۔ لیکن دو ایسے واقعات ہیں جو میری سمجھ میں نہیں آئے۔

میں نے دو تین دفعہ خواب میں دیکھا کہ میں بہت سے مسلمانوں میں گھرا ہوا ہوں۔ جو سب کے سب سفید لباس میں کھڑے ہیں۔ میں ان کے درمیان ہوں اور اپنی قوتِ ارادی سے آدمی کے قد کے برابر اوپر اٹھ گیا ہوں سب میری طرف دیکھ رہے ہیں جب میں نے ان سے کہا کہ ایسا ممکن ہے اگر ایمان پختہ ہو۔ میں پریشان ہوکر اٹھا اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مجھے ایسا خواب کیوں دکھائی دیا۔ عین ممکن ہے کہ یہ میری " انا " ہے کہ میں اپنے آپ کو نمایاں دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ اس کے متعلق کیا ارشاد فرماتے ہیں ؟

دوسرا خواب میں نے دیکھا کہ میں ایک آدمی کا پیچھا کررہا ہوں۔ جو عرب معلوم ہوتا ہے۔ وہ چھلانگ لگا کر ایک اونچی عمارت جس کے اوپر کنگرے تھے چڑھ گیا۔ میں نے بھی اس پر چھلانگ لگادی۔ وہ دروازہ پر ظاہر ہوا اور اتنی اچھی آواز میں اذان دی جو میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ میں نے اپنے دائیں جانب دیکھا تو بہت زیادہ لوگ ایسے دکھائی دئے جو اللہ تعالیٰ کے عرشِ عظیم کے سامنے سربسجود ہیں۔ میں نے گریہ وزاری کی حالت میں " اللہ اللہ " کہنا شروع کردیا۔ اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ میں اس حالت میں جاگ اٹھا اور میری زبان پر اللہ کا نام تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ یہ خواب کسی رمضان کے آخری عشرہ میں آیا تھا۔

ایک واقعہ مجھے جاگتے میں پیش آیا۔ ایک دن میں اکیلا اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عکس میری آنکھوں کے سامنے آیا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک چھوٹا سا بچہ دیکھا اور میں اپنی ماں کا دودھ پی رہا تھا۔ میں نے ارد گرد دیکھا تو اپنے باپ کے ساتھ ایک اور جوان آدمی کو پایا۔ جسے میں بچپن میں نہیں جانتا تھا۔ وہ میری ماں کو دودھ پلاتے دیکھ رہا تھا۔ میں اس سوچ میں تھا کہ وہ آدمی یہاں کیا کررہا ہے اور کیا دیکھ رہا ہے۔ پھر میں نے اپنے آپ سے کہا کہ آئندہ میں اپنی ماں کا دودھ نہیں پیوں گا۔ جب یہ خاکہ میری آنکھوں سے دور ہوا تو میں پریشان ہوا اور اپنی ماں کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ میں کتنا بڑا تھا کہ جب میں نے آپ کا دودھ پینا چھوڑا تھا۔ اس نے کہا کہ نامعلوم وجہ سے ایک دن اچانک تم نے میرا دودھ پینا چھوڑدیا۔ وہ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔ ڈاکٹر نے کہا کہ بچہ بالکل تندرست ہے۔ اگر یہ آپ کا دودھ نہیں پیتا تو دوسرا پلائیں۔ میں نے اسے بتایا کہ میں نے دودھ اس لئے چھوڑا تھا کہ آپ کو غیروں کے سامنے دودھ پلاتے ہوئے بے پردگی ہوتی تھی۔ مجھے اس کا علم اس وقت نہیں تھا۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے مجھے جوانی میں اس کا مشاہدہ کروادیا۔

میں اس خط کے خاتمے سے پہلے ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جس کی وجہ سے میں مراکش گیا۔ اور وہاں دو سال رہنے کے بعد تھوڑا عرصہ پہلے امریکہ واپس آیا ہوں۔

ایک رات میں نے اللہ سے دعا کی کہ میں نے

کوئی ولی نہیں دیکھا اور نہ ہی میرا کوئی شیخ ہے۔ اسی رات میں نے خواب میں ایک آدمی اپنے پاس آتے ہوئے دیکھا۔ جس میں کافی روحانی قوت محسوس ہو رہی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھ پر رقت طاری ہو گئی۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ یہ ولی اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتے ہیں۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ یہ آدمی کون تھا؟ میں نے اس سے پہلے اس کو کبھی دیکھا نہیں تھا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کے نام سے آگاہی کی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ مراکش کے شہر "فیض" میں رہتا ہے۔ میں فیض گیا اور پہلے ہی دن اس سے ملاقات ہو گئی۔ وہ "سلسلہ درقاوی" سے منسلک تھا۔ اس نے مجھے اپنے استاد کی طرف "میکنس" بھیجا۔ جب میں ان کے مدرسہ میں پہنچا تو وہ مقفل تھا اور اندر داخل نہ ہو سکا۔ میں اپنے کمرہ میں افسردہ واپس آیا اور اپنی موت کی دعائیں مانگنے لگا۔ پھر میں نے ایک آواز سنی جو مجھے کہہ رہی تھی کہ "اگر تمہاری تقدیر میں شیخ سے ملنا ہے تو وہ ہو کر رہے گا۔" یہ آواز تقریباً میں نے ایک گھنٹہ بار بار سنی۔ جس پر میں نے کہا۔ "اگر میری تقدیر میں اس سے ملنا ہے تو ضرور ملوں گا۔" لیکن میں اب کیا کروں؟ پھر مجھے آواز آئی کہ "تعلیم" پھر میں وزارتِ تعلیم میں گیا اور "فیض" میں پڑھنے کی اجازت لی۔ حالانکہ مجھے عربی بالکل نہیں آتی تھی۔ لیکن میں جب بھی شیخ کی ملاقات کیلئے جاتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی رکاوٹ آ جاتی۔ آخر مجھے محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے "سلسلہ درقاوی" کا ایک ولی دکھا دیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں کہ میں اس سلسلہ سے فیضیاب ہوں۔ راضی برضا اسی میں امریکہ واپس آ گیا۔ مجھے اب بھی تصوف سے محبت ہے۔ لیکن میرا خیال تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں کہ کسی سلسلہ سے منسلک ہو جاؤں۔

تقریباً دو تین مہینے پہلے میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ مجھے اولیاء اللہ کے "مناصب" بتائیں۔ کیونکہ مجھے چند صوفیائے کرام کی تحریروں سے اختلاف تھا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد ایک دوست نے مجھے آپ کی کتاب (دلائل السلوک: انگریزی ترجمہ) دی۔ جس میں وہ تمام چیزیں صاف طور پر اختصار کے ساتھ موجود تھیں اور میں اس سے متفق ہوں۔ اسی وجہ سے میں نے آپ کو خط لکھا۔

میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں وہ جس کو چاہتا ہے علم عطا فرماتا ہے۔

اے شیخ!

اللہ تعالیٰ آپ کی عبادت اور محنت قبول فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صراطِ مستقیم پر استقامت عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو علم و ایمان میں اس سے بھی زیادہ ترقی دے۔

ہمارا خالق عالی قدر ہے۔ جو نہ ہمیں چھوڑتا ہے اور نہ ہمیں بھولتا ہے۔ وہ ہمارا مالک ہے۔ جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔ اور جس سے ہم محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کے ساتھ نیک لوگوں کے ساتھ

اٹھائیں۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ میں آپ کی جماعت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ لیکن اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالٰی مجھ پر مہربان ہے۔ اور یہی میرے لئے بہت بڑا انعام ہے۔

میں آپکی رہنمائی کا منتظر ہوں

شکیل عبدالرحمان

سلسلۂ اویسیہ

کے

سات اصول ہیں

۱ اتباعِ سنتِ خیر الانام ؐ۔

۲ دنیا میں رہ کر دنیا سے دل نہ لگانا

۳ مطلب کے بغیر اور حق کے خلاف بات زبان سے نہ نکالنا

۴ یادِ الٰہی سے کسی وقت غافل نہ ہونا

۵ ہر وقت اللہ کو حاضر و ناظر جاننا

۶ ہر حال میں راضی برضا رہنا

۷ مخلوق کی عیب جوئی اور عیب چینی سے پرہیز کرنا

حصولِ رزق میں
وسائل اور ذرائع کی پاکیزگی

ابوسعید

اللہ تعالیٰ نے انبیأ علیہم السلام سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یا یہا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا۔

اے میرے رسولو! پاکیزہ غذا کھاؤ اور عملِ صالح کرو۔

اہلِ ایمان کو یہی ہدایت ان الفاظ میں دی گئی۔

فکلوا مما رزقکم اللہ حلالا طیبا واشکروا نعمت اللہ ان کنتم ایاہ تعبدون۔

اللہ نے جو تمہیں رزق دیا حلال اور پاکیزہ کھاؤ اللہ کا شکر کرو۔ اگر تم اس کے بندے ہو۔

بنی نوع انسان کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یا یہا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا ولا تتبعوا خطوٰت الشیطان انہ لکم عدو مبین۔

اے بنی نوع انسان! زمین کی پیداوار میں سے حلال اور پاکیزہ کھاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

ان آیاتِ مقدسہ میں غذا کو حلال اور طیب کی قید سے مقید فرمایا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ عمل صالح اور شکرِ نعمت کو جوڑ دیا۔ گویا حلال اور طیب غذا کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان میں عملِ صالح کا جذبہ اور شکرِ نعمت کا احساس و شعور پیدا ہوتا ہے۔

رزق یا مال و دولت بذاتِ خود مقصودی چیز نہیں بلکہ وہ انسان کی ضروریاتِ زندگی کے حصول کے لئے ذریعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور انسان کی بنیادی ضروریات میں غذا کا نمبر سب سے پہلے آتا ہے اس کے بعد لباس اور مکان انسان کی بنیادی ضروریات میں داخل ہیں۔ جب غذا کیلئے حلال اور پاکیزہ کی شرط لگادی تو باقی ضروریات کیلئے جو رزق کمایا جائے گا اس کے لئے بھی یہ دونوں شرطیں ضروری قرار پائیں گی۔

رزقِ حلال کیا ہے ؟

حصولِ رزق کے لئے انسان جو ذرائع اختیار کرتا ہے اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اول یہ کہ وہ اپنی پسند اور مرضی سے کوئی ذریعہ معاش اختیار کرے۔ دوم یہ کہ وہ اپنے خالق سے پوچھے کہ کونسا کام کرنے کا ہے اور کس کام سے بچنا ہے۔ اسلام وہ ضابطہ زندگی ہے جو انسان کو اس کے خالق کی پسند و ناپسند سے آشنا کرتا ہے۔ اور رزق حاصل کرنے کا وہ ذریعہ حلال کہلائے گا جس کی اجازت اللہ اور اس کے رسولؐ نے دی ہے۔ اس دائرے سے ہٹ کر یا اس کی روح کے منافی ہو، حصولِ رزق کا جو ذریعہ بھی اختیار کیا جائے گا اسے حلال نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام نے گو حلال ذرائع کی تفصیلی فہرست نام لے لے کر نہیں بتائی مگر ایسے رہنما اصول بیان کر دئے جن سے حلال اور پاکیزہ ذرائع کی پہچان نہایت آسانی سے ہو سکتی ہے۔ مثلاً

یایہا الذین امنوا لا تأ کلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ یعنی اے اہلِ ایمان! ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ۔

باطل کیا ہے ؟

اِنسان جس کا حقدار نہیں اس پر قبضہ جمالے یا دوسرے کو نقصان پہنچا کر اپنا گھر بھر لے یا دوسرے کی کمزوری کی بنا پر دھونس اور دھاندلی سے مال ہتھیا لے یا کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے مال حاصل کر لے۔ اِن حقائق پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چوری، ڈاکہ، دھوکہ، جوا، رشوت وغیرہ سب باطل اور حرام وسائل و ذرائعِ رزق ہیں۔

دوسری صورت کی نشاندہی فرماتے ہوئے ارشاد ہوا کہ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ یعنی اے اہلِ ایمان! "باہمی رضامندی سے جو تجارت اور لین دین ہو وہ حلال ہے۔" اس میں تجارت، ملازمت، صنعت و حرفت، مزدوری وغیرہ تمام ذرائع آجاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی اصول کی تشریح ایک اور انداز سے فرمائی کہ لا یحل لمسلم مال امرئٍ الا بطیب نفسٍ منہ۔ یعنی مسلمان کیلئے کسی دوسرے کا مال اس وقت تک حلال نہیں، جبتک وہ اپنی رضا اور دلی خوشی سے نہ دے۔

حلال اور پاکیزہ کی تاکید اور بار بار تاکید سے اس کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر غذا کو لیجئے۔ انسان جو غذا کھاتا ہے، وہ معدے میں جاکر ہضم ہوتی ہے۔ خون بنتا ہے۔ رگوں میں دوڑتا ہے اسی سے حرکت و عمل کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح طبِ جسمانی میں گرم یا سرد تاثیر والی غذا اسی قسم کا اثر پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح حلال ذریعہ سے حاصل کی ہوئی پاکیزہ غذا کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان میں اللہ کی فرمانبرداری کا جذبہ ابھرتا ہے اور حرام اور ناپاک غذا سے جو قوت حاصل ہوتی ہے وہ انسان کو اللہ کی نافرمانی کرنے پر ابھارتی ہے اور شیطان کے نقشِ قدم پر چلنے پر آمادہ کرتی ہے۔ یہی حال لباس اور مکان کا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

...نص نہایت پریشانی، بیکسی اور بے بسی کے عالم ...اللہ سے رو رو کر دعا کر رہا ہے۔ مگر اس کا پیٹ ...م غذا سے بھرا ہے، اس کا لباس حرام مال سے تیار ...ہے تو اس کی دعا کیوں قبول ہو۔

اسی طرح ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ اگر ...سان کے لباس کی تیاری میں دس حصوں میں سے ایک حصّہ ...ام مال کا شامل ہے تو جب تک وہ لباس اس کے ...دن پر ہوگا اس کی کوئی عبادت قبول نہ ہوگی۔

اس سے ظاہر ہے کہ اسلام نے مال کے حصول ...میں حلال اور پاکیزہ کی شرط لگائی ہے وہ کتنی اہم اور دور رس نتائج کی حامل ہے۔

خدا بیزار تہذیب نے ایک اصول بنایا جیسا کہ ...یکاولی نے بڑے اصرار سے منوانا چاہا کہ مقصد صحیح ہونا ...ہیے، ذرائع خواہ کیسے غلط اور ناجائز کیوں نہ ہوں۔ اسلام اس کو جائز قرار نہیں دیتا۔ اسلام سکھاتا ہے کہ مقصد بھی صحیح ہونا چاہیئے۔ اور اس کے حصول کے ذرائع اور وسائل بھی پاکیزہ ہونے چاہئیں۔ ورنہ صرف صحیح مقصد کسی کام کا نہیں۔

بدقسمتی سے مادہ پرستی کے سیلاب نے زراندوزی اور زر پرستی کا وہ جنون پیدا کر دیا ہے کہ مسلمان جسے ہر حال میں اللہ تعالےٰ کی پسند اور نبی کریمؐ کی خوشنودی کا اہتمام کرنا چاہیئے تھا، وہ بھی اسی رو میں بہنے لگا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی توجہ کا رُخ زر پرستی سے ہٹا کر خدا پرستی کی طرف موڑ لیں اور وسائلِ رزق میں حلال اور پاکیزہ کا وصف پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالےٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

....

عملِ صالح

......

حضرت معاذؓ کا فرمان ہے کہ عملِ صالح وہ ہے جس میں چار وصف ہوں۔

عِلم • نیّت • صَبر • اِخلاص

(تفسیر مظہری)

یہ امریکہ ہے!

مولانا محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

عربی سے ترجمہ

یہ امریکہ ہے جس کا دوسرا نام بے چینی و اضطراب بے کلی و اکتاہٹ ہے۔ جس کا شیوہ خود غرضی و انانیت حرص و لالچ ہے۔ جس کا شعار خودکشی و خود فراموشی ہے جنون ہے، شراب نوشی کی کثرت اور جوئے کی گرم بازاری ہے یہاں صلہ رحمی، قرابت داری اور خونی رشتوں کا کوئی سوال نہیں، انسانی جذبہ کا پاس و لحاظ نہیں۔ نہ یہاں سینوں میں پوشیدہ اس پاک و صاف محبت کی کارفرمائی ہے جو درد کا درماں، دُکھ کیلئے سُکھ، مشکلوں کیلئے آسانی، پریشانیوں کیلئے راحت، غموں کیلئے سکون پیدا کرتی ہے۔ اور اپنے نرم و گداز ہاتھوں سے دُنیا بدل دیتی ہے۔

یہ امریکہ ہے!

جہاں ماؤں اور سن رسیدہ عورتوں کی کوئی عزت نہیں۔ جہاں والد اور بوڑھے مردوں کی کوئی گنجائش نہیں، جہاں فقراء و مساکین کیلئے کوئی جگہ نہیں، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو مال و دولت، طاقت و قوت کے سرچشمے سے خالی ہو چکے ہیں۔

یہاں تو صرف شہوانی اور جسمانی قوتوں کا سکّہ چلتا ہے۔ اور اسی کے سامنے ہر امریکی کا سر جھکتا ہے۔ اگرچہ وہ ادب و عظمت کے ساتھ مسیحیت کا دعوے دار ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی انسان فطری طور پر یا غیر فطری طور پر، قوت و طاقت سے خالی ہو جائے تو وہ ایک امریکی کی نظر میں بے وقعت شئے ہے۔ اور شاید وہ انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔ اور اس کی حیثیت خاندان میں، سوسائٹی اور قوم میں ایک بوجھ ہو کر رہ جاتی ہے جو کسی قریبی فرصت میں اس سے دست بردار ہو جانا چاہتے ہیں، حکومت اس کو "از کار رفتہ" قرار دے دیتی ہے۔ قوم اس کو چھوڑ دیتی ہے۔ خاندان اس کے ساتھ ترش روئی اور قساوتِ قلبی سے پیش آتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے بچے اور دل کے ٹکڑے بھی اس سے دب جاتے ہیں۔ اور اس کے خلاف بغاوت اور اس کے لئے موت کی تمنا کرنے لگتے ہیں۔

بلکہ بسا اوقات قتل ہی کر کے دم لیتے ہیں۔

ایسا کیوں ہے ؟ اس لئے کہ وہ بوڑھا ہو گیا ہے یا فقیر و مسکین ہے یا اس وجہ سے کہ وہ کسی ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ جس نے اسے کھانے کمانے کا نہیں رکھا۔

یہاں تک کہ وہ مجاہدینِ وطن، سر دھڑ کی بازی لگانے والے جو وطن کی راہ میں کسی مصیبت میں مبتلا ہو کر معذور ہو جاتے ہیں، بیوی و بیٹے بھی انہیں برداشت نہیں کرتے۔ نہ خاندان والے انہیں قبول کرتے ہیں کیونکہ وہ ان کی عیش پرستانہ زندگی میں حارج اور بغیر کسی محنت و کمائی کے ان کی زندگی میں شریک ہو رہے ہیں۔

اے مشرق والو! امریکی زندگی ویسی نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم اپنے کمزور و ناتواں، مال و دولت کے اعتبار سے تہی دامن ملک میں بیٹھ کر تصور کرتے ہیں۔ اس کا سعادت نفسی اور راحتِ قلبی سے دور کا واسطہ نہیں۔ اس کا اس نے ایک دن بھی مزا نہیں چکھا۔ امریکیوں نے اس کو جنت ارضی میں تبدیل کرنا چاہا وہ ان کے لئے جہنم زار بن گئی۔ انہوں نے مکمل آزادی اور پوری چھوٹ دینی چاہی۔ لیکن یہ غلامانہ زندگی اور قید خانہ میں تبدیل ہو گئی۔

امریکہ کا قصہ اپنے اندر مختلف پہلو رکھتا ہے، میں اس آزاد مشرب کی زندگی جو ہر قید و بند سے دور ہو کر مشکلات کا تفصیلی ذکر نہیں کروں گا اور راہ چلتے پھرتے جمادات و پرزے جنہیں آدمی کہا جاتا ہے۔ یا شفاخانے جو پاگلوں سے پٹے پڑے ہیں۔ یا ناچ و گانوں کی عریاں محفلوں کا ذکر کرنا نہیں ہے اور ان کا سنناروں پھندیں ڈالنے اور اسے قابو میں کرنے کا تذکرہ بھی مقصود نہیں۔

اور نہ یہ بتانا مقصود ہے کہ عورت کس طرح کھلونا بن کر رہ گئی ہے اور کس طرح وہ ہر پاکیزہ انسانی اقدار سے خالی و عاری ہو چکی ہے۔ میں تو صرف اس قدر بتانا چاہتا ہوں کہ سن رسیدہ عورتوں اور بوڑھے مردوں کی امریکی سوسائٹی میں کیا قدر و قیمت ہے اور وہ کس نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

امریکہ والوں پر اللہ تعالےٰ کا یہ ایک قسم کا عذاب ہے، کہ اس نے ان کے دلوں سے باپ بیٹوں اور بیٹیوں اور باپ ماں بیٹوں اور بیٹیوں اور ماں کی آپس کی محبت و تعلق کو نکال لیا ہے۔ اس ملک پر ایک طائرانہ نظر ہی سے بدن کانپ جاتا ہے۔ اس منظر کی ہولناکی، گراوٹ و پستی جو امریکہ کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے اور اسے ورثہ میں ملی ہے سے آدمی سراسیمہ ہو جاتا ہے۔ اس وقت سوائے جلال خداوندی، قدرت الٰہی اور علم ربانی کے آگے خاموش کھڑے رہنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔

ولنذیقنھم من العذاب الادنیٰ دون العذاب الاکبر لعلھم یرجعون (سجدہ ۲۱)

اور ہم ان کو قریب کا (یعنی دنیا میں آنے والا) عذاب بھی اس بڑے عذاب سے پہلے چکھادیں گے تاکہ یہ لوگ باز آئیں۔

امریکی سوسائٹی میں بوڑھے اور بوڑھیاں قدر و منزلت کے اعتبار سے ہر مخلوق سے زیادہ ذلیل و خوار ہیں۔ حتیٰ کہ کتّے اور بلیوں سے بھی گئے گزرے ہیں۔ اکرام اور ادب تو دور کی بات ہے۔ امریکی خاندان تو ایسے لوگوں کو سخت عذاب تصوّر کرتا ہے۔ ان کو تو عام زندگی میں شریک کرنا اور روز کے لگے بندھے نظام میں بھی ان کی شرکت گوارا نہیں۔

امریکی لوگ جانوروں (خاص طور پر اپنے کتوں) پر جو

روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اس کا کچھ حصہ بھی ایسے بوڑھوں کی دیکھ بھال اور ان کے ساتھ سلوک کیلئے کافی ہے۔ لیکن یہاں مال کا مسئلہ نہیں ہے۔ بلکہ مسئلہ اندرونی جذبہ کا ہے۔ دل کا ہے۔ وہ دل جس کے راستوں کو قساوت، نفع پرستی، خود غرضی اور مادہ پرستی نے بند کر دیا ہے۔ جہاں سے پاکیزہ جذبات، مقدس مقاصد، اعلیٰ اقدار اور بلند خیالات راہ پاتے ہیں۔ وہ دل جس کی نشو و نما گھٹیا اور سوُر کی سوسائٹی اور معاشرہ میں ہوئی جس کا خمیر انہیں کتوں کی محبت پر اٹھا ہے اور پھر ان میں محبت والفت کے ایسے گہرے رشتے قائم ہو گئے ہیں جو عقلِ سلیم اور قیاس وگمان کی حدوں کو پار کر گئے ہیں۔ وہ اپنے کتوں کیلئے بھاری بھاری رقموں کی وصیّت کرتے ہیں۔ اور بوڑھوں کو انہی کے گھروں میں چین کی زندگی نصیب نہیں۔ اور صرف اس گناہ کی پاداش میں کہ محنت وکمائی سے وہ مجبور اور صحت وجوانی کھو چکے ہیں اور اپنے (با عزت و شریف) صاحب زادوں کے دست نگر ہو گئے ہیں۔ یہ اس گری ہوئی پست سوسائٹی کا ایسا شرمناک اور تاریک پہلو ہے جس پہ سارا مشرق ریجھا ہوا ہے اور اسے آزاد سوسائٹی اور ترقی یافتہ ملک کے القاب سے یاد کرتا ہے اور پھر اسے دیکھنے کی تمنا اور وہاں کی آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کی آرزو اگرچہ عمر میں ایک ہی مرتبہ نصیب ہو جائے ان کے اندر انگڑائی لیتی رہتی ہے۔

اس سلسلہ میں مشہور ومعروف اخبار لائف کی شہادت کافی ہے۔ جو حقیقت حال سے نقاب کشائی کرتے ہوئے "سن رسیدہ لوگوں کیلئے بڑھاپے کی مشکل" کے عنوان سے یوں تحریر کرتا ہے۔ اس وقت امریکہ ایک ایسی نازک اور پیچیدہ مشکل میں گرفتار ہے جس کا حل ناممکن نظر آتا ہے۔ اور وہ سن رسیدہ مردوں اور عورتوں کی مشکل ہے۔ اس لئے کہ ان کی تعداد ۱۲ ملین تک پہنچ گئی ہے۔ ان میں بیشتر ۶۵ سال کے قریب ہیں اور انہیں رائے دہندگی کا حق بھی حاصل ہے۔ ان میں سے بعض حضرات نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ انہیں طبی سہولتیں حکومت مفت مہیا کرے۔ لیکن ڈاکٹر لورڈ نے اس تجویز کی سخت مخالفت کی ہے۔ اس طرح اس پریشانی کا شکار انگلینڈ، سوئیڈن ڈنمارک، جرمن اور جاپان بھی ہیں۔ اس مشکل وپریشانی کا نام (Oldage Problem) ہے۔ اور اس کے تدارک کی مختلف تدبیریں کی جارہی ہیں۔ ان میں سے ایک (Nursing Homes) کا قیام بھی ہے۔

اخبار نے بعض ایسے فوٹو بھی شائع کئے ہیں جن سے حالات کی ابتری اور سنگینی کا پتہ چلتا ہے۔ اس نے (Mental Insititutions) کی ایک تصویر شائع کی ہے جس میں چند اونگھائی ہوئی مریضہ عورتیں غم و افسوس کے عالم میں اپنے گھٹنوں پر سر ڈالے، کاندھوں پر بال بکھرائے، بیٹھی ہیں۔ اور ان کے قریب چند عورتیں ہیں جو اپنی روزانہ کی ریاضی مشقیں کر رہی ہیں۔

ایک بڑھیا کی بھی تصویر ہے جو بستر پر پڑی، فضا میں گم سم اور کھوئی ہوئی ہے اور اس کے پاس کوئی غمخوار نہیں۔

ایک دوسری عورت کی تصویر جو تقریباً ستر سال کے قریب ہوگی، شائع کی ہے۔ وہ تنہائی کی وحشت اور عزلت گزینی کی ہولناکی کی تاب نہ لاکر توازن عقلی کھو بیٹھی ہے

اس کے پہلو میں ایک ماہرِ نفسیات بیٹھا اس عورت سے اس سلسلہ میں سوالات کر رہا ہے۔

ایک تیسری تصویر Oldage Homes (بوڑھوں کی اقامت گاہیں) کی ہیں۔ جن میں چند بوڑھے مختلف کاموں میں مشغول ہیں۔ یا صحیح لفظوں میں وہ اپنی موت کے منتظر ہیں۔ وہ حسرت و یاس کے مارے، غم و اندوہ میں ڈوبے، درد و کرب سے بے چین ہو کر مختلف کاموں میں لگے ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنے غم غلط کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔

یہ اس انسانی گندگی اور بشری آلودگی کے دلدل و کیچڑ کی صحیح اور زندہ تصویر ہے۔ جہاں صرف سکہ چلتا ہے گھٹیا جذبات کا، جہاں فرماں روائی ہے صرف خواہشات نفسانی کی، جہاں بولی سمجھی جاتی ہے صرف نہایت پست جذبات اور جسد فانی کی۔

کیا یہی تہذیب و ثقافت ہے؟ کیا یہی علم و معرفت ہے؟ کیا یہ وہی انوکھی فطرت ہے جس تک ہماری رسائی نہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو آخرت میں ہونے والے عذاب کا پیش خیمہ ہے، دنیاوی عذاب ہے یہ تو قرآن کی اس آیت کی تفسیر ہے۔

نسوا اللہ فانساھم انفسھم (حشر ۱۹)

انہوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پرواہی کی تو اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پروا بنا دیا۔

یہ اکتاہٹ اور کبیدہ خاطری ہے۔ گھٹن اور بے راہ روی ہے۔ جس کا نام ہم نے اپنے مشرق میں، حریت پسندی، آزاد ملک، آزاد معاشرہ، طبیعت و فطرت

اور فن رکھ لیا ہے۔

یہ ناامیدی کے کڑوے گھونٹ، حد سے زیادہ فارغا

انتہا سے زیادہ بے راہ روی اور ذہنی انارکی، آخری درجہ کی گراوٹ و گمراہی، اسی کو ہم نے یہاں وجودیت، انقلاب اور ترقی کا نام دے دیا ہے۔ اور نہ جانے ان جیسے ناموں اور نعروں کی کتنی طویل فہرست ہے جو امریکہ و فرانس سے منسلک ہے جن پر ہمارے نوجوان ادباء اس طرح نچھاور ہو رہے ہیں۔ اور ان کا الیسا دم بھر رہے ہیں کہ جیسے وہ وحی خداوندی یا خوان آسمانی ہو۔

اللہ تعالیٰ اپنے باغی و سرکش بندوں کو صرف قلع قمع کر دینے والی آندھیوں، تہس نہس کر دینے والے طوفانوں ہی سے ہلاک نہیں کرتا بلکہ بسا اوقات ان کی آسائش و سامانِ رحمت اور بیوی بچوں کو ان کے لئے دردِ سر اور عذاب جان بنا دیتا ہے۔ اور مال و دولت دے کر بھی شقاوت و بدبختی لکھ دیتا ہے۔

سنستدرجھم من حیث لا یعلمون واملی لھم ان کیدی متین ہ (القلم ۴۴-۴۵)

ہم ان کو بتدریج جہنم کی طرف لے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں اور (دنیا میں عذاب نازل کر دینے سے) ان کو مہلت دیتا ہوں بیشک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔

ذرا اس تابناک پہلو پر نظر ڈالتے جائیے جس پر مثالی اسلامی معاشرہ قائم ہے۔

وقضیٰ ربک الا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا اما یبلغن عندک الکبر احدھما او کلاھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولا

کریمًا واخفض لھما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرًا۔ ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صالحین۔ فانہ کان للاوابین غفورًا (بنی اسرائیل ۲۳ تا ۲۵)

اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو اگر تمہارے پاس ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو کبھی اُف بھی نہ کہنا۔ اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دُعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار! ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا انہوں نے مجھے پالا، پرورش کیا ہے۔ تمہارا رب تمہارے ما فی الضمیر کو خوب جانتا ہے اگر تم سعادتمند ہو تو وہ توبہ کرنے والوں کی خطا معاف کر دیتا ہے۔

(بشکریہ "الحق")

خوف اور رجا

یہ دو چیزیں عبادت پر آمادہ کرنے والی ہیں۔

خوف

اس بات کا کہ خالق کی نافرمانی یا اس کی طاعت میں غفلت کے سبب سزا کا مستحق نہ قرار دیا جاؤں اور

رجا

اس بات کی کہ وہ مزدور کی اجرت دینے میں کمی نہیں کرتا بلکہ استحقاق سے بڑھ کر دیتا ہے۔

ماہنامہ المرشد
زیر سرپرستی حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مد ظلہ
اصلاحِ احوال باطنی اصلاح
سالانہ چندہ پینتیس ۳۵ روپے

فہرست مطبوعات ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دلائل السلوک (اردو) ---- ۲۵/۰۰	خدایا ایں کرم بارِ دگر کن ۷/۵۰
صوفی ازم (انگلش) ---- ۴۰/۰۰	دیارِ حبیب میں چند روز ۵/۰۰
حیاتِ برزخیہ ---- ۲۵/۰۰	دین و دانش ---- ۵/۰۰
تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین ---- ۲۵/۰۰	مغالطے ---- ۵/۰۰
الدین الخالص ---- ۲۵/۰۰	پاکیزہ معاشرہ ---- ۷/۵۰
حیاتِ انبیاءؑ ---- ۱۰/۰۰	فضائل توبہ استغفار ---- ۲۰/۰۰
اطمینانِ قلب ---- ۱۰/۰۰	المرشد (فی شمارہ) ---- ۳/۰۰
تعمیر سیرت ---- ۷/۵۰	حج کی دعائیں ۳ حصے ---- ۵/۰۰
لغزشیں ---- ۷/۵۰	ذکر اللہ (عربی) ---- ۳/۰۰
حضرت امیر معاویہؓ ---- ۷/۵۰	بزمِ انجم ---- ۱۵/۰۰
اسرار الحرمین ---- ۵/۰۰	فوزِ عظیم ---- ۱/۵۰
انوار التنزیل ---- ۵/۰۰	علم و عرفان مع تلاشِ رہ ---- ۳/۰۰
کس لئے آئے تھے؟ ---- ۵/۰۰	سالانہ چندہ المرشد ---- ۳۵/۰۰
تعرف ---- ۳/۰۰	کونوا عباد اللہ (زیر طبع)
	ایمان بالقرآن کلاں ---- ۲۰/۰۰

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ ضلع جہلم ۰ سول ایجنٹ مدنی کتبخانہ گنپت روڈ لاہور

کتبہ: سید شاہد حسن رضوی

www.QuranTafseer.net

الحمد للہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراً سن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم و مفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہیں آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریباً تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراً ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255